یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پانچ تاریخ کو قادیان ضلع گورداسپور سے شایع ہوتا ہے

نمبر ۵ جلد ۱۰

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

تشحیذ الاذہان

بابت ماہ مئی ۱۹۱۵ء

جمادی الثانی

فہرست مضامین

قیمت سالانہ عوام سے عا، طلباء سے عہ، غیر ممالک سے عا ۸

باہتمام شیخ عبدالرحمن صاحب پرنٹر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپا اور چوہدری ... صاحب ... قادیان سے شائع ہوا

"ناداں ہیں جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ نہیں ملتا"

کہتے ہیں کہ بیمار کو عیسےٰ نہیں ملتا
ڈھونڈے اگر انساں تو پھر کیا نہیں ملتا

عیسیٰ تو بہت دیر ہوئی آ بھی چکا ہے
ناداں ہیں جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ نہیں ملتا

یہ کیا ہے کہ برات آپکی موجود ہے لیکن
احبابِ صفا کیش میں دولھا نہیں ملتا

پہلے کسی موسیٰ پہ وہ ایمان تو لائیں
پھر ہم سے تقاضا ہو کہ سلویٰ نہیں ملتا

وہ مال دل و جاں اسی خریدار ہوں جس کا
ہر چند کہ ملتے اسے ڈھونڈا نہیں ملتا

اس گلشنِ ہستی میں بہت پھول کھلے ہیں
لیکن مجھے وہ نرگسِ شہلا نہیں ملتا

محنت ہی سے ملتا ہی جو ملتا ہی جہاں میں
سونے سے تو لے جاں کبھی سونا نہیں ملتا

مذہب وہی سچا ہے کہ جو آج دلائے
ہے کون جسے وعدۂ فردا نہیں ملتا

دل دے کے خریدارِ غم و رنج و الم ہوں
لیکن کسی دکاں سے یہ سودا نہیں ملتا

وہ چشمہ ہدایت کا جو پھوٹا ہے یہاں سے
کیا کوثر و تسنیم سے سوتا نہیں ملتا

وہ آئیں ادھر نور میری چاند کا دیکھیں
تاریکی میں جن کو کوئی رستہ نہیں ملتا

اس وقت بشر اور بھی گذرے ہیں نظر سے
لیکن کوئی محمود سا پیارا نہیں ملتا

ہیں علم و فضیلت میں نظیر آپ ہی اپنی
واللہ اولو العزم بھی ان سا نہیں ملتا

اس خاک کے ہر ذرہ میں ہی طور کا جلوہ
غیروں کو مگر دیدۂ بینا نہیں ملتا

صادق سے یہ کہہ دو کہ ترا صدق ہے روشن
کاذب کو نتیجہ کبھی اچھا نہیں ملتا

تھے موجب تسکین دلِ مضطرِ اکمل
اب کچھ بھی پتہ ان رفقاء کا نہیں ملتا

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

رسالہ
تشحیذ الاذہان

بابت ماہ مئی ۱۹۱۵ء

ان الدین عند اللہ الاسلام

ایک عیسائی کو دعوت الی الخیر

۱۲ مارچ کو ایک عیسائی جنٹلمین یہاں آیا جس نے اپنی نسبت بیان کیا کہ وہ چھ سات سو لوگوں کو بپتسمہ بھی دے چکا ہے اور مسیحیت کا سرگرم واعظ ہے اسکی باتوں سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اچھا ہوشیار آدمی ہے۔ ۱۳ مارچ سے اس نے حضرت خلیفۃ ثانی سے گفتگو شروع کی پہلے دو روز تو کچھ بحث کا رنگ رہا مگر پھر اسے معلوم ہو گیا کہ میں اس طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اسلئے پھر وہ صرف حضور کی تقریر سنتا رہا۔ سات روز متواتر دو دو تین تین گھنٹے اسکو وقت دیا جاتا رہا۔ اگر یہ تقریریں لفظ بلفظ لکھی جائیں تو ہر تقریر کے لیے ایک رسالہ بشکل کافی ہوتا میں نے صرف نوٹ لئے وہ بھی ایسی حالت میں کہ بعض اوقات مجھے ایسی جگہ بیٹھنا پڑا کہ آواز بھی ٹھیک نہ پہنچ سکتی یا لکھنے میں بعض اور دقتیں پیش آئیں۔ میری طبیعت بھی علیل تھی تاہم جو کچھ میں لکھ سکا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اسے ناظرین تشحیذ بھی پڑھکر فائدہ اٹھائیں اور جان لیں کہ غیر مذاہب کے

لوگوں کے سامنے اسلام کیونکر پیش کرنا چاہیئے۔ ان تقاریر میں اگر کوئی بے ربطی ہو تو یہ نقص میری طرف منسوب ہونا چاہئے۔ اسی طرح حضرت صاحبزادہ صاحب کے ارشادات کو بکمال میں کوٹ نہیں کر سکا۔ اس خصوص میں بھی جتنے نقص پائے جائیں وہ بھی میری ہی تحریر میں ہیں نہ کہ اصل تقریر میں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی کسی بات کو میں سمجھ نہ سکا ہوں یا نوٹ لکھکر پھر بھول گیا ہوں کہ اصل بات کیا تھی اسلئے یہ ذمہ واری بھی میرے سر پر ہے۔"

سب سے اول عیسائی جنٹلمین نے یہ بات پیش کی کہ دنیا میں قانون ارتقاء رائج ہے۔ انجیل کا عہد نامہ جدید اور اسکی تعلیم اسی ارتقاء کے ماتحت ہے۔ مذہب کو آہستہ آہستہ جسمانیات سے روحانیات کی طرف لایا گیا ہے۔ حضرت محمد اگر خداوند یسوع مسیح سے بڑھکر تعلیم دیتے تو قابل تسلیم ہو سکتی تھی۔ وہ تو خدا کی بابت وہی تعلیم دیتے ہیں جو آدم کے وقت تھی۔ گویا بی اے کو پھر اے۔ بی شروع کرا دی۔

جواب از حضرت خلیفہ ثانی:۔ ارتقاء کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ہی قسم میں تمام قسموں کو بند کر دینے سے بہت سی صداقتوں کا انکار لازم آتا ہے۔

ایک صداقتیں ترقی کرنیوالی ہوتی ہیں۔ دوسری ایک ہی حالت پر رہنے والی مثلاً سچ بولنا یہ آدم کے وقت میں جائز نہ تھا۔ تو اب اسکا ارتقاء یہ نہیں۔ کہ اب جائز ہو گیا بلکہ یہ صداقت ہمیشہ برقرار رہنے والی ہے۔ اسی طرح واقعات اور ان کے بیان میں ارتقاء نہیں ہوتا۔ مثلاً زید مر گیا یہ ایک واقعہ ہے اب اسکا ارتقاء یہ نہیں کہ زید زندہ ہے البتہ کیفیت میں ترقی ہو سکتی ہے۔ ....

.... مثلاً ایک شخص بیان کرے کہ زید مر گیا اور دوسرا بعد میں آکے اسکی موت کا مفصل حال بیان کرے مگر یاد رہے کہ زائد علم پچھلے علم کو غلط قرار نہیں دیتا۔

بعض واقعات تغیر پکڑنے والے بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک نے بیان کیا کہ گنے کھیت میں موجود تھے دوسرا آکے بیان کرے کہ گنے کٹے ہوئے تھے تیسرا بیان کرے کہ گنوں کا رس نکالا جا رہا تھا۔ تو اب یہ واقعات گو بظاہر ایکدوسرے کے متضاد ہیں مگر پھر بھی اپنی اپنی جگہ

سب درست ہیں۔ غرض ہر جگہ ارتقاء کا اصول نہیں چلیگا بلکہ جو صداقتیں بدلنے والی ہیں ان میں ارتقاء ہوتا ہے اور جو بدلنے والی نہیں۔ ان میں ارتقاء نہیں۔ اب اس اصل کو مدنظر رکھکر ہم مسئلہ ذات الٰہی میں غور کرتے ہیں۔ خدا کی ہستی بدلنے والی نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ تغیر پذیر ہے۔ کیونکہ تغیر فانی میں ہو سکتا ہے جس چیز میں بیرونی چیز ملتی ہے اس میں ارتقاء ہوتا ہے مثلاً درخت۔ جو ذات کامل ہو اسمیں ارتقاء نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بیرونی چیزوں کا اس میں دخل نہیں۔ درخت بڑھتا ہے۔ ہاں علم انسانی میں ارتقاء ہو سکتا ہے کیونکہ وہ معلومات کے جاننے کا نام ہے غرض ارتقاء اس میں ہوگا جو اپنی ترقی میں دوسروں کا محتاج ہو۔ ذات الٰہی صمد ہے دوسروں کی محتاج نہیں اسلئے اس میں ارتقاء نہیں۔ ذات باری کے ارتقاء کے یہ معنے ہیں کہ وہ اپنے قیام میں دوسروں کا محتاج ہے مگر اللہ تو قیوم قائم بالذات ہے۔ ذات الٰہی میں کوئی ترقی نہیں ہو سکتی پس یہ ایسی صداقت ہے جو نہ بدلنے والی ہو اسکے متعلق دو بیان ہونگے تو ایک بیان ان میں سے ضرور جھوٹا ہوگا۔

اب صفات الٰہی کا مسئلہ لیجئے جب ذات میں تغیر نہیں تو ذاتی صفات بھی نہیں بدل سکینگی پس غلط ہے یہ کہنا کہ خدا پہلے علیم تھا اب علیم نہیں۔ اب ان دونوں میں سے ایک بات ضرور جھوٹی ہوگی ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے ایک زمانے میں شامی زبانوں کا علم دیا جائے دوسرے میں کسی اور خاندان کا۔ پس یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ بنی اسرائیل کے نبیوں ہی کا ذکر ہو ہندوستان کے لئے ہندوستان کی مثالیں دینے سے کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ مقصود ہسٹری بیان کرنا ہے ایک بیان دوسرے کو غلط نہیں قرار دیتا۔

اسکے بعد میں احکام کے تغیر اور ارتقاء کی فلاسفی سمجھاتا ہوں۔ ایک قسم ایسے امور کی ہے جو ہمیشہ مضر ہیں مثلاً جھوٹ۔ چوری۔ زنا۔ سو یہ ہر زمانے میں ممنوع و حرام رہینگے۔ ان کے متعلق یہ ارتقاء نہیں کہ ایک نبی تو آکر انہیں حرام کرے اور دوسرا انہیں حلال ٹھہرائے۔

(ب) بعض امور ایسے ہیں کہ اس زمانہ کے لوگوں میں استعداد نہیں ہوتی کہ انکو چھوڑ سکیں انکے بارے میں بہ تغیر حالت تغیر حکم ہوتا ہے۔

(ج) لوگ سخت رسوم کے پابند ہوتے ہیں۔ اب رسوم بعض بری بھی ہیں۔ مگر صرف انسانوں

کی مجبوری کی وجہ سے ایک حد تک انکی رعایت کی اجازت دیجاتی ہو۔ پس جب نسل انسانی میں یہ استعداد ہو جائے کہ وہ ان سے بکلی منقطع ہو سکیں تو پھر انکی پابندی چھڑا دی جاتی ہے۔

غرض ایک احکام ایسے ہیں۔ جو کبھی نہیں بدل سکتے (۲) ایک ایسے کہ حالات کے بدلنے کے ساتھ بدل جاتے ہیں (۳) ایک ایسے کہ ان کے بارے میں انسانوں کی مجبوری کی وجہ سے اجازت دی جاتی ہے مگر بعد میں اُٹھا دیجاتی ہے۔

فرعونیوں کی حکومت کے ماتحت غیرت مر چکی تھی۔ ان کے لئے عفو مضر ہو گئی تھی اسلئے انہیں حکم دیا گیا کہ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ جب عمل کرتے کرتے انتقامی سپرٹ بڑھ گئی تو مسیح کے ذریعے یہ حکم دیا گیا کہ کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسری بھی کر دو۔ غرض نرمی اور ملائمت پیدا کرنے والے حکم دیئے گئے یہ تبدیلی احکام صداقت کا انکار نہیں۔ بلکہ بہ تغیرِ حالات صداقت بدل گئی۔ موسیٰ نے ضرورت زمانہ کے مطابق انتقام پر زور دیا اور عیسےٰ نے عفو پر۔

اب اسکے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ بدلنے والے حالات میں ارتقاء ایک حد تک ہوتا ہے مثلاً انسان کے قد میں ارتقاء ہے انسان لمبا ہوتا ہے مگر ایک حد تک۔ پھر ارتقاء ایک حد تک پہنچکر یا تو قائم ہو گا یا پھر تنزل شروع ہو گا۔ مثلاً علم انسانی ترقی کرتا ہے مگر ذہن پر ایک زمانہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نام تک بھول جاتا ہے دیکھو لکیلا یعلم بعد علم شیئاً۔ اسی طرح انسان بچے سے جوان ہوتا ہے پھر جوان سے بوڑھا۔ اور اسکی طاقت کم ہوتی ہے ننکسہ فی الخلق۔ پس پہلے ارتقاء کو خوب سمجھ لیجئے پھر شریعت پر نظر کیجئے۔

سو پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا یہ ان احکام میں سے ہیں جن میں ارتقاء ہو سکتا ہے یا ان احکام میں سے جن میں نہیں ہو سکتا۔ یا ہو کر ایک حد تک ٹھہر جاتا ہے موسیٰ نے انتقام کے لئے کہا اور عیسیٰ نے عفو کے لئے یہ دونوں تعلیمیں بہ تغیرِ حالات بدل سکتی ہیں۔ اگر صرف عفو سے گزارہ ہو سکتا تو موسیٰ کے زمانے میں انتقام پر زور دینے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اور اگر صرف انتقام سے انتظام چل سکتا تو عیسےٰ کے زمانہ میں عفو پر زور دینے کی ضرورت نہ پڑتی۔ پس کامل تعلیم وہ ہو سکتی ہے جو دونوں ضرورتوں میں کام دے۔ اور پھر ہر ضرورت کے مطابق حکم کی وجہ بیان کرے۔

اسپر غور کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ عفو اور سزا کی ضرورت کیا ہے۔ سزا دیتے ہیں

کہ سزایابندہ پھر گناہ نہ کرے اور عفو اسلئے کرتے ہیں کہ بعض طبائع کو وہ گناہ سے روک دیتا ہے پس کامل تعلیم وہ ہے جو یہ حکم دے۔

"اگر سزا میں اصلاح ہو تو سزا دو۔ اگر عفو سے اصلاح ہو تو عفو کرو۔ اور اس حکم کی تعمیل میں جو نقصان ہو اسکا ذمہ وار اللہ تعالیٰ خود ہو"

چنانچہ اسلام میں یہ تعلیم ہے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ۔ یعنی اگر سزا میں اصلاح ہو۔ تو ضرور اس بدی کے اندازہ پر سزا دو۔ اور اگر عفو میں اصلاح ہو تو عفو کرو۔ اور اس میں جو بظاہر تمہیں نقصان نظر آوے تو فکر نہ کرو۔ کہ اسکا معاوضہ دینا ہمارے ذمے ہے۔ یہ تعلیم ارتقاء کی آخری تعلیم ہے جس طرح قد انسانی ایک حد تک پہنچکر پھر ختم ہو جاتا ہے پس اس سے آگے اب کوئی صورت نہیں جس کا انکشاف ہو اور یہ تعلیم اسلام نے سکھائی۔ پس اسلام ہی دنیا کا آخری مذہب ہوگا۔

عیسائی جنٹلمین۔ معاف فرمایئے لکھنؤ میں کوئی صاحب پلاؤ کھا رہے تھے۔ ایک شخص آیا۔ جیب سے ایک لیموں نکالا اور اسپر نچوڑ کر کہنے لگا۔ کہ دیکھئے صاحب! اب پلاؤ کیا لطف دیتا ہے۔ اور جھٹ سے ساتھ کھانے لگ گیا (مطلب یہ تھا کہ انتقام اور عفو دو تو تعلیمیں تورات اور انجیل میں موجود ہیں اسلام نے نئی بات کیا کی؟)

حضرت صاحبزادہ صاحب! بعض قومیں ایسی ہیں کہ کوئی بھی کتاب نہیں مانتیں۔ ان میں بھی لوگ بدلہ لیتے ہیں۔ اور معاف بھی کرتے ہیں۔ پس تورات اور انجیل نے کونسی نئی بات پیش کی۔

عیسائی جنٹلمین۔ ہمنے مردم خوری کو روکا۔

حضرت صاحبزادہ صاحب! سنیئے ایک وقت بت پرستوں نے بھی عدل سے کام لیا اور نہایت انصاف کے ساتھ حکومت کی۔ اس سے انکے مذہب کی صداقت پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ عیسائیت کی تاریخ میں اسکے خلاف واقعات بھی پائے جاتے ہیں اور اپنے ساتھ ایسے ثبوت رکھتے ہیں کہ آپکو ماننا پڑیگا۔ پس ایسی بات کے پیش کرنے سے کیا حاصل؟ اسوقت بحث تو تعلیم میں ہے نہ کہ تعلیم پر چلنے والوں کے کیریکٹر پر (اور اسمیں بھی ہم کسی سے ہٹے نہیں۔ مگر یہ بات

اپنے وقت پر آئیگی یہ موقعہ نہیں) میں تو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہیرا تو بے شک کان میں موجود ہے مگر اسکی قدر وقیمت اسکی تراش وخراش پر مبنی ہے۔ بدلہ لینا اور معاف کرنا۔ یہ دونوں باتیں انسان کی فطرت میں داخل ہیں اور شریعت کا تو کام ہی یہی ہے کہ وہ انسانی فطرت کی بھولی ہوئی باتوں کو یاد دلائے۔ اسی واسطے قرآن مجید کو ذکر کہا گیا مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ اس انتقام اور عفو کو اپنے اپنے موقعہ ومحل پر چلانے کی تعلیم کس مذہب نے موجود ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ گوشت بھی پہلے موجود تھا (انتقام) اور چاول بھی (عفو) مگر جب تک یہ معدہ کے مناسب حال پکا کر تیار نہ کئے جائیں کسی کام کے نہیں۔ پس اصل کام تو پلاؤ تیار کر کے مع لوازمات کے سامنے رکھنے والے کا ہی اسلام پر چوری کا الزام یا چالاکی سے قبضہ کر لینے یا شریک جانیہ کا الزام آپ اس صورت میں دے سکتے ہیں کہ پہلے یہ ثابت کریں کہ انتقام اور عفو کی تعلیم توریت اور انجیل سے پہلے موجود تھی۔ اگر پہلے موجود تھی تو آپ پر بھی وہی فتوے لگیگا۔ جو آپ ہم پر لگانا چاہتے ہیں۔

عیسائی جنٹلمین۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ قرآن کی ضرورت کیا ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ یہی تو میں بتا رہا ہوں اور بتا چکا ہوں دنیا میں عفو اور انتقام پہلے سے انسانی فطرت میں موجود ہیں۔ قوموں کا اس پر عملدرآمد بھی ہے اب ضرورت تو یہ ہے کہ کوئی مذہب بتائے۔ عفو اور انتقام کیوں کرنا چاہیئے۔ کہاں کہاں کرنا چاہیئے اور پھر اس حکم کے مطابق عمل کرنے میں اگر نقصان ہو تو اسکی ذمہ واری کون لیتا ہے یہ تعلیم اسلام میں موجود ہے اور میں آیت قرآنی سے بتا چکا ہوں اگر آپکے مذہب میں انجیل میں ان سوالوں کا جواب ہے۔ تو آپ پیش کریں۔

عیسائی جنٹلمین! آپ تمام کھڑکیاں بند کر رہے ہیں۔

حضرت صاحبزادہ صاحب! اور اسلام انکو کھولنے والا موجود ہے دیکھئے کہ خالق فطرت نے ہماری فطرت میں مادۂ انتقام بھی رکھا۔ عفو بھی رکھا۔ تلوار بھی موجود۔ بندوق بھی موجود مگر یہ موجودگی کسی کام کی نہیں بلکہ بعض صورتوں میں خطرناک ہے ضرورت ہے ایک استاد کی جو بتائے کہ بندوق یوں چلانی چاہیئے۔ تلوار یوں چلانی چاہیئے۔

عیسائی جنٹلمین۔ آپکے پاس نہ گوشت نہ چاول نہ بندوق نہ تلوار

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ کیا بائبل سے پہلے لوگ بدلہ نہ لیتے تھے۔ کیا بائبل سے پہلے لوگ عفو نہ کرتے تھے۔ بس ان چیزوں کے مالک آپ کسطرح بنتے ہیں۔ خالق نے یہ چیزیں سب کے لئے پیدا کیں اب ایک کامل فن اُستاد کی ضرورت البتہ ہے جو انکو اپنے لئے مفید بنانا سکھلائے

عیسائی جنٹلمین۔ اسوقت بحث کتابوں میں ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ کیا کسی چیز کے لکھدینے سے اسکی قیمت بڑھ جاتی ہے مثلاً یہ ناک ہے اب اسے کاغذ پر لکھدیں تو یہ کچھ اور ہو جائے گی۔

عیسائی جنٹلمین! سوال یہ ہے کہ تفوق ظاہر ہو۔

حضرت صاحبزادہ صاحب! یہ تفوق تو میں ثابت کر چکا ہوں۔ لوگوں میں ایسے بھی تھے جو انتقام لیتے تھے ایسے بھی جو عفو کرتے۔ تورات نے ایک شق پر زور دیا انجیل نے دوسری پر۔ قرآن مجید نے بتایا کہ موقعہ و محل پر اصلاح کے خیال سے دونوں میں سے ایک کو استعمال کرو اور اس عملدرآمد میں نقصان کی تلافی اپنے ذمے لی۔ پس قرآن کا تفوق ظاہر ہے صرف بدلہ یا عفو کے ذکر سے بائبل کا تفوق ثابت نہیں ہو سکتا۔ آپ یہ بتائیں کہ بدلہ بائبل سے پہلے بھی لیا جاتا تھا یا نہیں اسی طرح بعض لوگ پہلے بھی عفو کرتے تھے یا نہیں ؟

عیسائی جنٹلمین اسوقت کتابوں کا مقابلہ ہو رہا ہے

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ آپ اپنے اصول کو دیکھیں اس سے تو کتابوں کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ آپ بائبل کے اوپر قرآن مجید کی فوقیت جس طریق سے معلوم کرنی چاہتے ہیں۔ اس طریق سے بائبل کی فوقیت ثابت کریں (یعنے یہ ثابت کریں کہ بائبل سے پہلے انتقام یا عفو کا نام تک نہ تھا نہ رواج بائبل ہی نے یہ راز سربستہ کھولا)

عیسائی جنٹلمین۔ تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس معاملہ میں کتابوں کی ضرورت نہیں

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ آپ یہ مان لیں کہ اس انتقام یا عفو کی تعلیم کے لئے بائبل کی ضرورت نہ تھی۔ پھر میں قرآن مجید کی ضرورت ثابت کرونگا۔

عیسائی جنٹلمین - انجیل کو بلحاظ کتاب مقدم تو آپ بھی مانتے ہیں۔

حضرت صاحبزادہ صاحب - قرآن مجید میں فیھا کتب قیمۃ آیا ہے پس کسی مقدم کتاب کی ہمیں ضرورت نہیں۔

عیسائی جنٹلمین - از روئے قرآن آپ مجبور ہیں کہ انجیل کو مانیں

حضرت صاحبزادہ صاحب - آپ ماننے کے معنے نہیں سمجھے دیکھئے قرآن مجید کے ابتدا ہی میں ہے یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک یہاں بما انزل الیک کو مقدم رکھا ہے جس سے ثابت ہوا کہ سب سے مقدم قرآن مجید ہے نہ کہ بائبل دوم ما انزل من قبلک میں صرف بائبل ہی نہیں بلکہ ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر کے مطابق ہر قوم میں نبی مبعوث ہوئے۔ اسلئے سب تعلیموں پر جو قرآن مجید سے پہلے نازل ہوئیں ہمیں ایمان لانے کا حکم ہے اب اگر اسکے یہ معنے ہیں کہ اس پر عمل بھی کریں تو کئی تعلیمیں مٹ چکیں کئی بدل چکیں۔ ان متضاد باتوں کو کیونکر مان سکتے ہیں۔ پس ماننے کے یہ معنے ہیں کہ ہم تسلیم کریں کہ پہلے نبیوں پر جو کچھ کلام نازل ہوا تھا وہ حق تھا باقی عمل کے لئے قرآن مجید کافی ہے اور یہی مقدم کتاب ہے۔

عیسائی جنٹلمین - قرآن میں تورات اور انجیل کا نام موجود ہے

حضرت صاحبزادہ صاحب - نام تو فرعون کا بھی موجود ہے (اپنی تمام تقریر کو تفصیل سے دہرا کر) ان کتابوں کے ماننے کے صرف یہ معنے ہیں کہ ان نبیوں پر جو الہام ہوتے وہ سچے تھے اور بس باقی عمل کے لئے قرآن مجید ہے کیونکہ اگلی تمام تعلیمیں اسمیں آ چکی ہیں۔ آپکے دل میں چند اور آیات بھی کھٹک رہی ہونگی وہ میں خود ہی پڑھ دیتا ہوں۔ چنانچہ آپنے پڑھ کر ان کے معنی بتائے اور اسی ضمن میں سمجھایا کہ مصدقاً لما معکم کے یہ معنے ہیں کہ انکی بعض پیشگوئیوں کو پورا کرنے والا ہے۔ صدق بہٖ اور صدق لہٗ میں فرق ہے۔

پہلے دن کا اجلاس ختم ہوا

دوسرا روز

حضرت صاحبزادہ صاحب! شریعت کی ضرورت اسلئے ہے کہ ہمارے اندر جو طاقتیں ہیں۔ اسکو کسی انتظام کے ماتحت چلایا جائے بس سزا دو یا عفو کرو صرف اتنا کہنے کی ضرورت نہیں یہ تو فطرت انسانی میں پہلے ہی سے موجود ہے اور لوگوں کا معمول بہا ہے شریعت کا کام یہ بتانا ہے کہ کہاں سزا دے کہاں عفو کرے اور کس غرض کو مدنظر رکھکر ایسا کرے۔

عیسائی جنٹلمین! دنیا کا رجحان ظلم کی طرف ہے اسلئے عفو پر زور چاہیئے تھا سزا غلطی سے دی جا سکتی ہے اسلئے بھی عفو پر زور کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انجیل نے عفو پر زور دیا۔

حضرت صاحبزادہ صاحب! کیا آپکا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ عفو کر دینا چاہیئے اور یہ انجیل کا حکم ہے؟

عیسائی جنٹلمین۔ ہاں! انجیل کا یہی حکم ہے کہ ہمیشہ عفو کر دینا چاہیئے کیونکہ خداوند کہتا ہے کہ انتقام لینا میرا کام ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ یہ حکم آپ انجیل سے دکھائیں اصل کلام جس میں یہ درج ہو کہ انتقام لینا میرا کام ہے تم مت لو اور پھر یہ بھی دکھائیے کہ تمام مرافعے حکام سے چھوڑ دینے چاہئیں کیونکہ جو حاکم سے سزا دلواتا ہے وہ گویا خود ہی سزا دیتا ہے۔

عیسائی جنٹلمین۔ یہ الفاظ تو اصل کلام الہی میں میں نہیں دکھا سکتا۔ باقی عدالتوں کے متعلق الگ بات ہے یہاں کلیسیا کے قانون پر گفتگو ہو رہی ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب! عدالتوں میں جانے والے جب کلیسیا کے قانون کے ماتحت ہیں تو ان کا عدالت میں جانا انہیں از روئے تعلیم انجیل ملزم بنائیگا کیونکہ جو عدالت میں جاتا ہے وہ انجیلی حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے اس وجہ سے کہ وہ انتقام لینا چاہتا ہے عفو نہیں کرتا پھر عفو کا جو قانون ہے اسپر غور کرو کیا یہ تعلیم ہمیشہ کے لئے سکھ کا موجب ہے اور اسپر عمل ممکن ہے۔ اور کیا یہ تعلیم اس تقاضائے فطرت کو پورا کرنے والی ہے جس میں سزا اور عفو دونوں چیزیں ہیں یاد رکھو کہ جو مذہب ایک شق پر زور دیتا ہے وہ فطرت انسانی کے خلاف حکم دیتا ہے کیونکہ

وہ ایک طاقت کو ضائع کرتا ہے۔ اگر انتقامی طاقت کسی کام کی نہ تھی تو کیا خدا نے اس طاقت کو یونہی پیدا کیا۔

عیسائی جنٹلمین۔ انتقام کے بارے میں فرمایا کہ میں خود لے لونگا

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ آپنے یہ فقرہ جسے کلام الٰہی کہتے ہو۔ اس سے دکھایا ہی نہیں۔ دوم اسکے یہ معنے ہوتے کہ تلوار ہاتھ میں دیدی اور پھر کہا کہ تلوار میں ہی چلاؤنگا یہ تلوار دینی نہ دینے سے بھی بدتر ہے۔

عیسائی جنٹلمین۔ نوٹ پر دستخط گورنمنٹ ہی کے ہوتے ہیں۔

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ انتقام کی طاقت ہم میں خدا نے رکھی ہے گویا نوٹ تو دیدیا۔ اب اسکا چلانا تو ہمارا ہی کام ہے۔

عیسائی جنٹلمین بہت خوب تو چلانے کا طریق بتادیا کہ پھر میرے (خدا کے) حوالے کرو یا عدالت میں مقدمہ لیجاؤ۔

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ انجیل میں تو یہ ہے کہ عدالت میں کیوں جاؤ۔ جو تمہارا کرتہ اتارے تم اسے چوغہ بھی دیدو۔ جو ایک کوس بیگار لے جانا چاہے اسکے ساتھ دو کوس چلے جاؤ۔ وہاں تو عدالت میں جانے کی گنجایش ہی نہیں۔ میں نے تو آپ سے پوچھا تھا کہ عدالت میں مقدمہ لے جانے کا حکم انجیل سے دکھائیے۔ انجیل میں تو بد دعا بھی ناجائز ہے گویا خدا کے پاس بھی انتقام کے لئے جانا جائز ہے اب بتائیے کہ فطرت کی ایک طاقت ماری گئی یا نہیں۔ کیونکہ انتقام کی فطرت انسان میں ہے اور ضرور ہے مگر اس سے کام لینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

عیسائی جنٹلمین۔ میں اس کمزوری کو تسلیم کرتا ہوں کہ ہمارے پاس اس بارے میں کوئی آیت نہیں۔

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ جو طاقت ہمارے اندر اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ جو شریعت اسکا مصرف نہیں بتاتی وہ ناقص ہے نیز یہ کہ اگر انتقام کسی موقعہ پر بھی نہ دیا جائے۔ تو قطعاً امن نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اسی لئے دنیا کا انجیل کے نقشہ پر چلنا نہیں ہوتی کہ انجیل ماننے والوں کا بھی نہیں کیا ہو سکتا ہے کہ جو آئے اور آپ پر اپنے

مذہب کے مطابق اپنی چابیاں بھی اسکے حوالے کردیں کہ جس پر چور قبضہ نہیں پا سکا وہ بھی لے جائے۔
عیسائی جنٹلمین۔ تو کیا ہم ایسے نادان ہیں کہ مثلاً کوئی میری بیوی مجھ سے مانگے تو میں اسکے حوالے کردوں۔ انجیل اس چور یا ڈاکو کے لئے بھی تو ہے۔
حضرت صاحبزادہ صاحب۔ ہم تو انجیل کے احکام کے نتائج عملی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ پس جو لوگ احکام کی تعمیل نہیں کرتے انکے لئے انجیل نے کیا انتظام کیا ہے۔ یہ میں مانتا ہوں کہ بعض دفعہ عفو سے اصلاح ہو جاتی ہے مگر جہاں عفو سے بگاڑ ہو۔ اسکا علاج انجیل میں کیا ہے؟
عیسائی جنٹلمین۔ انتقام لینا خدا کا کام ہے ہمارا کام نہیں۔
حضرت صاحبزادہ صاحب۔ عفو کرنا خدا کا کام ہے یا نہیں؟ اور انتقام سے عفو اچھا ہے یا نہیں؟ جب اچھا ہے تو انجیلی تعلیم کے مطابق ہم خدا سے اچھے ٹھہرے کہ عفو کرنا تو ہمارے متعلق رہا اور انتقام خدا کے متعلق۔
عیسائی جنٹلمین۔ معلوم نہیں اسلام سزا دلوا کر جہنم میں پہنچا کر کیوں خوش ہوتا ہے
حضرت صاحبزادہ صاحب۔ اسلام بعض حالات میں سزا دلوا کر جہنم سے بچاتا ہے۔ ہاں انجیل کہتی ہے کہ سزا دے کر اصلاح نہ کرو۔ بلکہ اسے جہنم ہی میں پڑا رہنے دو۔
عیسائی جنٹلمین۔ تمام گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام فطرت کے دو تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔
حضرت صاحبزادہ صاحب۔ یوں کہئے کہ اسلام انسان کی فطرت میں جو دو نو باتیں رکھی ہیں۔ انہیں اس رنگ میں چلاتا ہے کہ جس سے اصلاح اور امن ہو۔ اور انجیل انسان کی فطرت میں مرکوز دو باتوں میں سے ایک پر چلاتی ہے خواہ اس سے اصلاح ہو۔ یا بدامنی پھیلے۔
عیسائی جنٹلمین! آپ یہ فرمائیں کہ پہلے کیا کرنا چاہیئے؟
حضرت صاحبزادہ صاحب۔ عفو
عیسائی جنٹلمین۔ تو بس مطلب حل ہو گیا۔

حضرت صاحبزادہ صاحب - لیکن اگر دوسری بار ایسا کرے تو اسکے لئے انجیل کیا کہتی ہے؟

عیسائی جنٹلمین - یہ پھر دیکھا جائیگا اگر والی بات تو کمزور ہوتی ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب - یہی آپنے بجا فرمایا اگر پھوڑا اچھا نہ ہو تو سرجن کے پاس لیجائیں - اب چونکہ **اگر** والی بات کمزور ہوتی ہے اسلئے ثابت ہُوا کہ سرجری غلط ہے (۲) آپ کل بیان کر رہے تھے کہ مسیح نے کہا **اگر** میں چاہوں تو بارہ ہزار فرشتے میری مدد کو آسکتے ہیں تو یہ بھی کمزور بات ہوئی۔

یاد رہے کہ عفو مقدم اس صورت میں ہے کہ جب پہلی بار گناہ صادر ہو - اور اسکے چھوڑنے میں یقیناً اصلاح ہو یہ مراد نہیں کہ ہمیشہ اوّلاً عفو ہی کرے۔

عیسائی جنٹلمین - انجیل فطرت سے بالا تعلیم دیتی ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب - تعلیم تو انسانوں کیلئے ہے اب چار ہارس پاور انجن سے چھ ہارس پاور انجن کا کام لینے کی امید حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

عیسائی جنٹلمین - خدا لا محدود اسکی شریعت لا محدود - انسان کے علم میں جو محدود ہے لا محدود کس طرح آسکے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب - انسان اسی حد تک مکلف ہے جس حد تک اسکی سمجھ میں آسکے اور انہی باتوں کا حکم اسے دیا گیا ہے جو اسکی طاقت اور علم میں آسکتے ہیں (اسکو بہت تفصیل سے سمجھایا)

عیسائی جنٹلمین - میں سمجھ گیا میں حضور سے مباحثہ نہیں کرتا - میں شبہات دور کرنے آیا تھا - یہ ضروری نہیں کہ جو بات میں مان لوں اسکا علی الاعلان اقرار بھی کروں۔

حضرت صاحبزادہ صاحب - آپ ہرگز ہرگز اس بات کا وہم بھی نہ کریں کہ ہم زبردستی کوئی بات منوانا چاہتے ہیں یا گفتگو ہار جیت کے خیال سے ہے جب آپکا سوال حل ہو جائے - تو آپ اتنا کہدیا کریں کہ جو کچھ میں نے آپ سے سننا تھا سن چکا اور بس باقی آپ اپنی جگہ غور کریں اور کسی نتیجہ پر پہنچیں

دوسرا اجلاس ختم ہُوا

تیسرا روز

حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنی تقریر شروع کی

مذہب کے معنے وہ سڑک جو اللہ تعالےٰ تک پہنچاتی ہے اطاعت فرمانبرداری کا وہ رستہ جس کے ذریعے خدا تعالیٰ کا انسان فرمانبردار ہو جائے۔

دین کے معنے جزا و سزا جو انسان کو ایسے کاموں پر چلائے جس پر نیک بدلے ملیں۔ اور سزا سے بچ جائیں۔

مذہب کی غرض اصل میں ایک ہی ہے اللہ تک پہنچاوے کیونکہ اسکا دوسرا منشا انسانوں کے آپس کے تعلقات کو پاکیزہ بنائے یہ پہلے کے اندر ہی آجاتا ہے۔ کیونکہ جس شخص کا تعلق باپ کے ساتھ اچھا ہو بیٹے سے بھی اچھا ہوگا کیونکہ جس چیز سے محبت ہو اسکی متعلقہ چیزوں سے بھی محبت ہوگی۔ پس جو اللہ کا مطیع ہوگا وہ مخلوق سے بھی محبت کریگا۔ اور جو مذہب اللہ اور اسکی مخلوق سے حسب مراتب بہترین تعلقات قائم کرے وہ سچا مذہب ہے۔

اسی طرح کتاب کونسی ہو جو کامل ہوگی جو انسان کو خدا سے ملاوے مخلوق میں امن و آشتی پھیلائے۔ سوال ہو سکتا ہے کہ کوئی مذہب ایسا ہے ہی نہیں جو کہے میں اللہ تعالےٰ سے تعلق توڑنے آیا ہوں یا مخلوق میں بدامنی پھیلانے۔ اسی طرح اخلاقی تعلیموں کے اعتبار سے مذاہب بلحاظ اصول تقریباً ایک ہیں یہ تو ممکن ہے کہ بعض احکام ایسے ہوں جن سے ظلم ہو ایذا ہو مگر لفظوں میں سب مذاہب کا یہ حکم ہوگا کہ ظلم نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ ایذا نہ دو۔ اس خصوص میں بابی مذہب سے زیادہ دھوکہ دینے والا ہے کیونکہ اسکے پیرو وہ باتیں پیش کرتے ہیں جن میں سب مذاہب اصولاً مشترک ہیں مگر ان اصول کے فروعات پیش نہیں کرتے۔ نہ اپنے مذہبی احکام پیش کرتے ہیں تا معلوم ہو سکے کہ یہ مذہب کیسا ہے۔ پھر اس مذہبی تعلیم کے متعلق یہ دیکھنا ہے کہ وہ عملی رنگ میں آسکتی ہے یا نہیں اور اس پر عمل کرنے سے انسان سکھ حاصل کرتا ہے یا نہیں نیز دنیا میں امن پھیلتا ہے یا بدامنی۔ پھر اس مذہب کے متعلق یہ قابل غور بات ہے کہ اصل غرض

کو پورا کرتا ہے یا نہیں۔ مرنیکے بعد نجات ہوگی یہ صحیح ہے لیکن اگر مرنیکے بعد نجات نہ ہوئی تو پھر کون دنیا میں آئے گا پس ثبوت تو دم نقد چاہیئے اور دلیل ایسی کہ اسی دنیا میں معلوم ہوجائے کہ ہم نجات یافتہ ہیں اور جس مذہب پر چل رہے ہیں وہ خدا کا پسندیدہ ہے غرض مذہب میں مفصلہ ذیل امور قابل غور ہیں۔

۱۔ اسکی غرض کیا ہے ۲۔ مشترک تعلیمات کی تفصیلات کیا ہیں؟ ۳۔ مذہب پریکٹیکل ہے یا نہیں ۴۔ اصل غرض کو پورا کرتا ہے یا نہیں ۵۔ اسکے ذریعے سے خدا کو ملنے کا یقینی ثبوت اسی دنیا میں ملتا ہے یا نہیں ۶۔ مرنے سے پہلے معلوم ہوجائے کہ اللہ خوش ہوگیا پس سچا مذہب وہ ہے جو یہ مطالبات پورے کرے۔ لیکن ایک ایسا بیّن نشان ہونا چاہیئے جو ہر طبقے ہر استعداد کے آدمی پر ظاہر کردے کہ یہ مذہب خدا کا پسندیدہ ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حکومت سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہی مذہب خدا کی طرف سے ہے مگر سکندر بہت بڑا فاتح تھا۔ پھر اٹالین فتحمند تھے۔ مصریوں کی حکومت رہی بابلیوں کا غلبہ رہا پھر ایرانیوں کا۔ اب عیسائی تمام اکناف عالم پر حکمران ہیں۔ تو کیا اس سے ثابت ہوگیا۔ کہ انکا مذہب سچا ہے۔ اگر اس دلیل سے عیسائیوں کا مذہب سچا ثابت ہوتا ہے تو پھر بابلیوں کا مذہب بھی سچا تھا کیونکہ انہوں نے بیت المقدس کو تباہ کردیا۔ بعض لوگ مذہب کے صادق ہونے کا یہ معیار پیش کرتے ہیں کہ تعلیم اچھی ہو مگر یہ بھی ایک ظن غالب ہے اسپر بھی یقین نہیں ہوسکتا کیونکہ ممکن ہے کہ تعلیم کا جو حصہ پیش کیا جائے وہ اچھا ہو مگر اسکے علاوہ کوئی گند بھی ہو پھر اس بات کی کیا ضمانت ہو کہ وہ تمام خوبیاں اس مذہب کے اندر ہیں جن سے خدا راضی ہو پس سمجھنا یہ ہے کہ

"خدا نے اس یقین پر قائم کرنے کے لئے کیا طریق اختیار کیا"

جب تواریخ مذاہب پر ہم نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اول حضرت موسیٰ کی طرف سے دعوے ہوتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں۔ اور اسکا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ وہ مجھ سے بکثرت کلام کرتا ہے اور کثرت سے امور غیبیہ پر مجھے اطلاع دیتا ہے چنانچہ ایسے کئی نشانات پورے ہوتے ہیں جن سے روز روشن کی طرح یہ امر مبرہن ہوجاتا ہے کہ خدا تعالےٰ ان سے راضی ہے پس وہ مذہب

جو حضرت موسیٰ نے پیش کیا۔ وہ درست ہے پھر اسکے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی تعلیم پر چلنے والوں سے خدا نے کلام کیا اور یوں سینکڑوں شاہد اس بات کے پیدا ہوتے ہیں کہ تورات پر عمل کرکے انسان خدا تک پہنچتا ہے پھر اسکے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اسی سلسلے میں مسیح آتے ہیں۔ مگر انکے بعد یہودیوں میں کوئی ایسا پیدا نہیں ہوتا۔ جس سے خدا کلام کرے پس اس بات کو سوچنا چاہیئے کہ کیا سبب ہے کہ مسیح کے منکروں میں یحیٰی اور ذکریا پیدا نہیں ہوتے اور وہ جو مسیح پر ایمان نہ لائے ان سے خدا کلام نہیں کرتا۔ اسی طرح ابتدا سے دیکھو۔ حضرت ابراہیم نے دعوٰی کیا کہ مجھے خدا سے مکالمہ مخاطبہ کا شرف حاصل ہے پھر انکی نسل و اتباع سے حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحٰق مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہوئے۔ پھر کچھ مدت تک حضرت اسمٰعیل کی نسل سے تو کوئی پیدا نہیں ہوتا مگر حضرت اسحٰق کی نسل میں پے در پے ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جن سے خدا نے کلام کیا۔ پھر آخر مسیح پر یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے اور نسل اسمٰعیل سے وہ نبی پیدا ہوتا ہے۔ جو سارے نبیوں کے کمالات کا جامع اور ان سے بڑھکر ہے اب دیکھو فطرت انسانی بھی وہی۔ خواہش بھی وہی۔ خدا بھی وہی مگر مسیح کے منکروں کے ساتھ کلام الٰہی بند ہو جاتا ہے اور مسیح کے ماننے والوں میں ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ جو خدا سے مکالمہ مخاطبہ کا شرف رکھتے ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ عرب میں ایک نبی مبعوث ہوتا ہے اور اسکے انکار کے بعد مسیح کے ماننے والوں میں سلسلہٴ الہام بند ہو جاتا ہے کیا یہ ثبوت نہیں اس بات کا کہ اب خدا کی مرضی عرب کے اس نبی کی تعلیم کے ساتھ وابستہ ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ جو خدا چودہ سو برس میں اتنی بار بولا وہ انیس سو سال سے کلام نہیں کرتا۔ کیا لوگ بدل گئے یا صفات الٰہی معطّل ہو گئیں اگر کہو کہ اب بدوں حکم الٰہی گزارہ ہو سکتا ہے تو پھر موسیٰ تک کیوں نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ حضرت ابراہیم تک یہ سلسلہ کیوں ختم نہ ہو گیا۔ حضرت آدم یا حضرت نوح کے وقت تک ہی مکالمہ مخاطبہ کیوں بند نہ کر دیا گیا اگر کوئی کہے کہ شریعت ختم ہو گئی اسلئے اسکی ضرورت نہیں تو واضح ہو کہ نبی صرف شریعت جدیدہ کے لئے نہیں آتے۔ بلکہ بائیبل ہی میں کئی ایسے نبیوں کا ذکر ہے جو شریعت نہیں لائے۔ پھر انکو نبوت کیوں دی گئی۔ خود مسیح کہتا ہے کہ میں توریت کو منسوخ کرنے نہیں آیا۔ اور یہ کہ جو فقیہ اور فریسی کہتے ہیں۔ اسپر عمل کرو۔ پس خدا کا کلام شریعت کے لئے نہیں بلکہ یہ یقین دلانے

کے لئے نازل ہوتا ہے کہ جس رستہ پر ہم اس شخص کی اتباع میں جا رہے ہیں وہ ٹھیک رستہ ہے اور قصے کہانیوں پر نہیں بلکہ واقعات پر ہمارا ایمان ہے قرآن مجید نے اس مسئلہ کو سب سے پہلے حل کیا ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم میں اس فطرتِ انسانی کی خواہش کو دعا کے رنگ میں ظاہر کیا اور آگے چلکر اس امر کی تشریح کر دی کہ انعام کیا ہے۔ اولٓئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیّٖن والصدیقین والشھداء والصّٰلحین یعنی نبی ہونا شہید ہونا۔ صدیق ہونا۔ صالح ہونا۔ شہید وہ جو خدا کو دیکھ لے۔ صدیق وہ ہے جس کا ہر فعل اسکے ایمان پر شہادت دے۔ نبی وہ جس سے خدا بکثرت مکالمہ مخاطبہ کرے اور اپنے امور غیبیہ پر اطلاع دے۔ پس خدا تعالے فرماتا ہے کہ اس فطرت انسانی کی خواہش کو ہم پورا کرینگے اور تعلیم قرآنی پر چلنے والونکو شہید و صدیق و صالح بلکہ نبی بنا دینگے۔ نادان کہتا ہے کہ مع الذین انعم اللّٰہ علیھم ہے معیت سے یہ کہاں ثابت ہو گیا کہ نبی بنجائیگا مگر اسے معلوم نہیں کہ یہ قرآن مجید کا محاورہ ہے جیسے توفّنا مع الابرار اب اسکے یہ معنی تو نہیں کہ جب کوئی نیک مرنے لگے تو اسکے ساتھ ہی میری جان بھی نکال لو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس گروہ میں شامل کر لو۔ پس جیسے خود بانی سلسلہ اپنی صادق و ممتاز ہونے کا ثبوت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے دیتا ہے ایسے ہی اسکے متبعین میں اسی انعام کا اجرا ثابت کرتا ہے کہ خدا کے پسندیدہ دین پر یہ گروہ قائم ہے۔ اور یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جو فریق کسی مامور من اللہ کا انکار کرتا ہے۔ اس میں سلسلہ الہام بند ہو جاتا ہے تو ضرور ہے کہ مسیح کے بعد بھی یہی سلسلہ چلے جیسا کہ اس سے پہلے تمام سلسلوں میں جاری رہا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی معیار سے صادق ثابت ہوں اور پھر قرآن مجید کی تعلیم پر چلنے والوں کے لئے بھی یہی معیار صدق ہے چنانچہ قرآن مجید نے ایسا دعوے کیا ہے اول فطرت انسانی کی خواہش کو دعا کے رنگ میں بتایا پھر اسکا جواب دیا اور طریق بتایا۔

الٓمّٓ انا اللّٰہ اعلم یعنے سوال ہوتا ہے کہ آپکی طرف کیوں آئیں جواب ملتا ہے اسلئے کہ میں اللہ اعلم ہوں۔ بعض اوقات طبیب تو اچھا ہوتا ہے مگر وہ علاج نہیں کرتا فرمایا ذٰلک الکتٰب یہ نسخہ بھی موجود ہے پھر نسخہ کے متعلق خطرہ ہوتا ہے کہ مشتبہ ایک

نہ ہو فرمایا لاریب فیہ۔ اسمیں کوئی ہلاکت کی بات نہیں پھر فرماتا ہے کہ یہی نہیں کہ اس میں نقصان کوئی نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے اور مذاہب تو زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ انسان کو متقی بنا دیں مگر اس کتاب کے ذریعے متقیوں سے بھی اوپر ہدایت ملتی ہے متقی تو وہ درجہ ہے جس تک انسان اپنی کوشش سے پہنچتا ہے مگر اسکے آگے وہ رتبہ کہ خدا اوپر سے نیچے اترے اور اس انسان کو دلائل سے شہود تک پہنچا دے یہ صرف خدا ہی کا کام ہے اور یہ کام دل قرآن مجید کے ذریعے حاصل ہوگا کیونکہ وہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے اور انہیں نہ صرف اگلوں پہ نازل شدہ کلام کا پڑھنے والا بلکہ خود انہیں مہبط کلام الہی بنا دیتا ہے۔ ہاں سوال ہو سکتا ہے کہ پھر ساری دنیا کے مسلمانوں کو کیوں نہیں بنا دیتا سو اسکا جواب یہ ہے کہ بادشاہ کے دربار میں ہر ایک نہیں جا سکتا۔ بلکہ درباری وہی ہوتے ہیں جو خاص پیار کے مستحق ہوں اور اپنے اعمال سے اس قابل ہو جائیں کہ وہ خدا سے مکالمہ مخاطبہ کا شرف حاصل کر لیں اور ایسے لوگوں کا اس جماعت میں پایا جانا ضروری ہے سب کا ہونا ضروری نہیں اگر مسیح تک شریعت کا کمال ہو گیا تھا اور خدا جو اپنی مرضی ظاہر کرنی چاہتا تھا کر چکا تھا تو پھر حواریوں پر روح القدس کیوں نازل ہوا۔ اور کیوں ایک تسلّی دہندہ کا وعدہ کیا گیا اور کیوں کہا گیا کہ ابھی میری کچھ اور بھی تعلیم ہے جس کی تم برداشت نہیں رکھتے اسی طرح اگر نبی کریم کے بعد یہ سلسلہ بند تھا تو یہ دعا نہ سکھائی جاتی کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم اور نہ پھر یہ معیار مذہب ہوتا۔ جو تواریخ سے ثابت ہے کہ تمام ان مذہبوں میں موجود ہے جو خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور جب تک خدا کی مرضی ان سے متعلق رہے ضرور ان میں یہ سلسلہ الہام موجود رہتا ہے اور جونہی کہ اس مذہب کے ماننے والے کسی نبی کا انکار کرتے ہیں اسمیں یہ سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ اب دیکھو کہ یہ سلسلہ الہام اسلام میں جاری ہے اور یہی وہ فضیلت ہے جو معیار صدق ہے اور جس کا مدعی اسوقت سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں پس وہی مذہب قابل توجہ ہے جو کہے کہ آج بھی وہی سلسلہ کھلا ہے جو پہلے تھا ہاں یہ تو ممکن ہے کہ کوئی اور مذہب بھی اپنی تعلیم کا کوئی حصّہ خوشنما کر کے دکھلا دے مگر خدا کی زندہ شہادت کسی مذہب کے اختیار میں نہیں وہ جس مذہب میں پائی جائیگی وہی درستی پر ہوگا۔

تیسرا اجلاس ختم ہوا

چوتھا روز

حضرت صاحبزادہ صاحب کی تقریر

کل میں نے بتایا تھا کہ کوئی ایسی شہادت ہونی چاہیئے۔ جس سے اسی دنیا میں معلوم ہو کہ خدا ہم پر راضی ہے اور وہ شہادت سلسلۂ الہام و وحی ہے پھر میں نے دکھایا تھا کہ جب کبھی کوئی سچا نبی ہوا تو اسکے منکروں میں یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ پچھلے تجربہ و تاریخی حالات پر نظر کرتے ہوئے مسیحیوں میں پہلے اس سلسلہ کا اجرا اور روح القدس کا نزول اور پھر نبی کریم صلعم کی بعثت کے بعد اس سلسلہ کا ان میں بند ہو جانا بتاتا ہے کہ انھوں نے بھی کسی بڑی صداقت کا انکار کیا ہے۔

اب چند اور سوالات غور طلب ہیں۔

اوّل۔ یہ کہ وہ مدعیٔ الہام صادق بھی ہے یا نہیں

دوم۔ یہ کہ یہ سلسلہ اسلام میں جاری ہے یا نہیں

یہ بھی یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے متبعین کو بعض رؤیا ہو جانا صداقت کی دلیل نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات سچے رؤیا تو بدکاروں کو بھی آجاتے ہیں۔ پس لامحالہ ایسے شرائط لگانے پڑینگے جس سے خواب کے سچے ہونے اور جس کو خواب آئے اسکے سچے ہونے میں فرق ہو سکے۔

سو اسکا حل قرآن مجید نے فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول سے کیا ہے کہ غیب پر غلبہ سوائے رسولوں کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ پس کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع اور انکا پورا نکلنا اسکے سچے ہونیکی علامت ہے۔

اسکی مثال یوں ہے کہ مثلاً کسی نے سڑک پر بادشاہ کو جاتے ہوئے دیکھ لیا یا کسی سے بادشاہ نے ایک دو باتیں کرلیں تو اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ بادشاہ کا مقرب ہے۔ بلکہ جسے بادشاہ سے اکثر مکالمہ مخاطبہ کا شرف حاصل ہو۔ وہی مقرب ہے کیونکہ دوست کہتے ہی اسے ہیں جسے ہر وقت ملاقات و مقالات کا موقعہ حاصل ہو۔ پس جو خدا کی طرف سے نبی ہو اسکے رؤیا عام لوگوں کی طرح معمولی واقعات کے متعلق نہیں ہوتے اور نہ چند کشوف یا الہامات ہوتے ہیں بلکہ اسے ایسی عظیم الشان خبریں کثرت سے دیجاتی ہیں جو قوموں کی تباہی اور ترقی کے متعلق ہوتی ہیں۔ ہاں دوسرے لوگوں کو کبھی کبھی رؤیا اور الہام

اسلئے ہو جاتے ہیں تا وہ جانیں کہ سچے نبیوں کے دعوے جھوٹے نہیں۔

غرض عام و خاص میں فرق ہے پھر منجم اور نبی کی خبروں میں بھی ایک فرق ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین۔ مرسلان الہی کی خبریں ماننے والوں کے لئے بشارت اور منکروں کے لئے نذارت ہوتی ہیں منجم میں یہ بات نہیں کہ انکے معتقدوں کے لئے بشارت اور مخالفوں کے لئے عذاب کی خبریں ہوں۔ پھر نبی کی خبروں میں ایک قوت ایک شوکت ایک قدرت پائی جاتی ہے منجم بتاتا ہے کہ مری پڑے گی تو ممکن بلکہ اغلب ہے کہ وہ خود بھی اسی مری کا شکار ہو جائے مگر نبی مری کی خبر دیگا تو خاص اپنی اور اسکے متبعین کی نسبتاً حفاظت کا وعدہ بھی ہوگا۔ غرض دیکھنا چاہیئے کہ کثرت سے امور غیبیہ کس پر ظاہر ہوتے ہیں اور پھر ان سے خدا کا جلال ظاہر ہوتا ہے یا نہیں

اب اس اصول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کو دیکھنا چاہیئے وحی نازل ہوتی ہے یا ایھا المدثر۔ قم فانذر۔ وثیابک فطھر۔ ایک یتیم کھڑا ہوتا ہے خونخوار قوم میں اپنے ساتھ نہ فوج رکھتا ہے نہ سامان حرب پھر وہ مسلمہ امور پیش نہیں کرتا۔ بلکہ وہ باتیں پیش کرتا ہے جن کے ماننے سے اس قوم کی ظاہری وجاہت بھی بظاہر جانیکا احتمال ہو۔ اور پھر اصل مذہب کا بطلان بھی ظاہر ہو۔ عرب پر مشرکوں کی حکومت ہی اس خیال سے تھی کہ وہ بتوں کے پجاری اور بتخانوں کے خدمتگذار ہیں۔ پس بُت پرستی چھوڑنے میں انکی حکومت اُن کے ذریعہ آمد پر اثر پڑتا تھا۔ پھر وہ ایسی آزاد قوم کہ کسی کی سرداری ماننے والی نہیں تھی۔ وہ یہ تو گوارا کر سکتی تھی کہ کوئی انہیں مدد کے لئے بلائے اور یہ کہے کہ بس سب کچھ انکی طفیل ہے لیکن یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی انہیں محکوم سمجھے اور کہے (اس پر آپنے عمر بن ہند اور عمرو بن کلثوم کی ماں کا قصہ سنایا جو اتنی سی بات کی تاب نہ لاسکی کہ ایک برتن اٹھا کر دیدے۔

حالات تو یہ ہیں مگر وہی یتیم خبر دیتا ہے کہ سیھزم الجمع ویولون الدبر اسمیں کئی پیشگوئیاں ہیں۔ اول یہ کہ قریش ہی مخالف نہیں ہونگے کیونکہ اکٹھے ہو کر لوگ جبھی آئینگے* دوم یہ کہ وہ حملہ کریں گے سوم یہ کہ وہ بھاگ جائینگے۔ پھر اسکے بعد آپ پر طرح طرح کی مشکلات گزرتی ہیں مخالفت کا اتنا زور ہے کہ کوئی نام لیتا ہے تو دو اونٹوں سے باندھ کر چیر دیا جاتا ہے شرمگاہوں میں نیزے مارے جاتے ہیں جلتی ریت پر لٹایا جاتا ہے۔ ایک شعب میں پناہ گزین ہونا پڑتا ہے مگر آخر خدا اور

* جب باہر سے آئیں ۱۲

مقدس کلام ایک جلال و جبروت کے ساتھ پورا ہوتا ہے کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہو کہ آپ مکالمہ مخاطبہ الہیہ سے مشرف اور خدا کے خاص مقرب تھے۔

پھر دوسرا دعویٰ ہو اسی آزاد اکھڑ قوم کے سامنے کہ واللہ یعصمک من الناس اس اشتعال وہ تبلیغ کے باوجود اور اس بے سروسامانی کے باوجود مجھے کوئی قتل نہیں کر سکے گا۔ پھر وہ بار بار انکو غیرت دلاتا ہے کہ میری سچائی کی علامت ہی یہی ہے کہ تم مجھے قتل نہیں کر سکو گے مگر پھر بھی کوئی آپ پر قابو نہیں پا سکتا وہ مقدس وجود مدینہ میں جاتا ہے دس ہزار کا لشکر اس پر حملہ کرتا ہے یہودی بھی ساتھ مل جاتے ہیں۔ منافق ہنسی اڑاتے ہیں کہ پاخانے کے لئے جگہ نہیں مگر دعویٰ یہ ہے کہ قیصر و کسریٰ کے ملکوں پر حاکم ہونگے آخر آپ اس دعوے میں صادق نکلتے ہیں اور وہی ہوتا ہے جسکی پہلے خبر دی گئی۔ خندق کھودتے ہوئے جس خزانہ کی کنجیاں پانے کی اطلاع دیتے ہیں وہ بھی ملتی ہیں۔

پھر تیسرا دعویٰ ہے کہ نہر سویز نکالی جائے گی اور بحیرۂ قلزم اور بحیرۂ احمر آپس میں ملائے جائینگے چنانچہ فرمایا مرج البحرین یلتقیٰن پھر ان سمندروں کا پتہ دیا فیھما اللولو والمرجان یعنے وہ سمندر لولو والمرجان کے سبب ممتاز ہیں چنانچہ قلزم میں مرجان اور احمر میں، بڑا موتی غیر معمولی طور پر نہایت اعلیٰ نکلتا ہے

تیرہ سو برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوتی ہو اور اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جس نے یہ خبر دی وہ خدا کا راستباز تھا۔

پھر انگلستان کی موجودہ ترقی کا ذکر سورہ کہف میں ہو کہ وہ تجارت والی قوم ہے۔ کتنے بھی ساتھ ہونگے خدا کی طرف سے خاص رُعب دیئے گئے۔

پھر اسی مقدس نبی کی پیشگوئی ہے کہ میری امت میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو تمام رسولوں کے نام پانے والا جری اللہ فی حلل الانبیاء ہوگا چنانچہ وہ رجل من ابناء فارس وہ اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم کا مزکّی و معلّم آیا۔ اس نے بھی اسی معیار صدق پر اپنے آپکو راستباز ثابت کیا جو ہمیشہ سے خدا کے مقبولوں کا مابہ الامتیاز رہا ہے یعنے بکثرت مکالمہ و مخاطبہ و اظہار علی الغیب چنانچہ اس نے بتایا کہ فرشتے پودے لگا رہے ہیں اور یہ طاعون کے ہیں توبہ کرو تا بچائے جاؤ

پھر اسکے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ طاعون حیرت انگیز سرعت کے ساتھ بڑھی اور کوئی دنیوی تدبیر اسکے روکنے کے لئے کارگر نہ ثابت ہو سکی۔ (۲) پھر یہ بتایا کہ خون کی ندیاں بہینگی کشتیاں چلینگی تا کشتیاں ہوں چنانچہ آپ آجکل اخباروں میں اسکی تصدیق دیکھ رہے ہیں (۳) کانگڑہ اور اٹلی شرک کے مرکزوں میں ہولناک زلزلوں کی خبر اور اسکے لئے موسم بہار۔ پھر غیر معمولی زلزلوں کا آنا (۴) پھر یہ کہ جو میرے مقابلہ پر اٹھیگا۔ اگر وہ اس معیار سے مقابلہ چاہے گا کہ کاذب صادق سے پہلے مرے۔ تو وہ ضرور ہلاک ہوگا (۵) امریکہ کے ایک شخص ڈوئی نے الہام کا دعویٰ کرکے اس خصوصیت کو مٹانا چاہا تھا کہ کلام الٰہی صرف اسی فریق پر نازل ہوتا ہے جو تمام ماموران الٰہی کا ماننے والا ہو۔ اس لئے وہ باایںہمہ شان و شوکت آپکی پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہوا (۶) اسی طرح آتھم ایک صاحب تھے ان سے مباحثہ ہوا۔ آپنے پیشگوئی کی کہ ۱۵ ماہ تک وہ فریق جو عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے ہاویہ میں گرایا جاتے گا۔ بشرطیکہ رجوع الی الحق نہ کرے۔ اس طرح آپ کے ذریعے سے دو پیشگوئیاں پوری ہوئیں پہلے ۱۵ ماہ ہیں وہ بچایا گیا کیونکہ اسنے رجوع تو اسی مجلس میں کرلیا تھا اس بات سے کہ میںنے آنحضرت صلعم کو دجال کہا پھر جب رجوع کا معاملہ اسنے مشتبہ کردیا اور اسپر قسم کھانے سے انکار کیا (حالانکہ قسم کھانے کی ممانعت عیسائیوں میں ہوتی تو بادشاہ اور ویسرائے اور بڑے بڑے لوگ عہدہ سے پہلے قسم نہ کھاتے اور نہ عدالت میں حلف لیا جاتا) تو اسی میعاد میں مرگیا (۷) پھر ایک بلاشرط پیشگوئی لیکھرام کے متعلق تھی اسکے لئے دن بھی مقرر کردیا کہ عید سے دوسرے دن بلکہ وقت بھی بتا دیا۔ بعد میں کامل تحقیقات کے بعد اس بدظنی کا کامل دفعیہ بھی ہوگیا کہ اس میں انسانی ہاتھوں کا کچھ دخل تھا (۸) پھر قادیان کی رونق کے متعلق یاتون من کل فج عمیق کی پیشگوئی ہے جب اس ملہم کو بھی گاؤں سے باہر کوئی جانتا نہ تھا۔ ادنیٰ سے اعلیٰ حالت تک پہنچنے کی مثالیں نادرشاہ۔ نپولین۔ تیمور کی زندگیوں میں موجود ہیں مگر انہوں نے پہلے خدا سے الہام پاکر پیشگوئی نہیں کی پھر انکی قومیں انکے ساتھ تھیں اور انکی مدد سے ہوا جو کچھ ہوا۔ مگر یہاں اس صادق کا نہ اپنی قوم سے اتحاد تھا نہ غیر اقوام سے مسلمانوں سے بھی مقابلہ آریوں سے بھی مقابلہ عیسائیوں سے بھی مقابلہ غرض سب سے مقابلہ۔ اور باوجود انکی سخت مخالفتوں کے آپنے یہ شان یہ غلبہ پایا۔ ایک وقت آپنے کتاب شائع کی جسمیں آپ نے

تمام پیرووں کے نام ویچ کئے اور وہ بمشکل ۱۳۰۳ ہو سکے۔ لیکن اب دیکھئے اتنے لوگ تو اسی مسجد میں موجود ہیں۔ پس یہ حالت صرف نبیوں سے خاص ہے کہ ان کے متبعین جلد سے چار لاکھ بنتے ہیں دوسرے بعض لوگ بھی بیشک ترقی کرتے ہیں مگر نہ تو وہ خدا کی طرف سے ہونیکے مدعی نہ خدا کی جانب سے خبر پاکر پہلے اطلاع دینے والے نہ وہ اپنی قوم کے خلاف اٹھتے بلکہ قوم تو انکے ساتھ ہوتی ہے اور نہ وہ ان اسباب و حالات کے خلاف چلتے ہیں جو اسوقت موجود ہوں اور یہ وہ موعود ہے جس کا انتظار تمام قوموں میں ہے ہندوؤں میں کرشن کا انتظار ہے عیسائیوں میں مسیح کی آمد ثانی کا مسلمانوں میں مہدی کا پارسیوں اور بدھوں میں بھی انتظار ہے اور سارے مذاہب اسے حکم مانتے ہیں۔ پس سب مذہبوں پر فرض ہے کہ اسکا فیصلہ مانیں اسنے تو یہی فیصلہ کیا کہ اسلام برحق مذہب ہے اور اسوقت یہی مذہب خدا کا پسندیدہ مذہب ہے۔ اور خود سلسلہ الہام کہ نشان صدق ہے وہ بھی اسی مذہب کے پیرووں میں پایا جاتا ہے۔

پھر اسلام کے مختلف فرقوں میں سے اب ایک ہی گروہ حق پر ہے۔ جو مسیح موعود نے تیار کیا کیونکہ مکالمہ مخاطبہ کا سلسلہ اسی مسیح کے پیرووں میں اب جاری ہے۔ غیر احمدی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین تھے اسلئے مکالمہ مخاطبہ بند۔ مگر بڑے آدمی کا یہ نشان نہیں کہ انعام بند ہو جائے بلکہ بڑے آدمی کے ذریعے تو بیش از بیش انعام ملتا ہے جب یونیورسٹی عمدہ ہو کالج کا پرنسپل لائق ہو تو زیادہ قابل طالبعلم پیدا ہونگے نہ یہ کہ سب ہی نالائق پیدا ہوتے جائیں سو اب ہم خدا کی برگزیدہ جماعت ہیں کیونکہ اسکا مکالمہ ہم سے ہے نہ کہ روئے زمین پر کسی اور سے۔ اگر کوئی اور مدعی ہے تو ہمارے مقابلہ پر آئے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کا چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی اگر صدق و راستی پر عمل پیرا ہوگا۔ تو وہ اس مدعی کاذب کے مقابل پر فتح پائے گا۔

پس وہ امر جو ہمیشہ سے صدق کا معیار ہے اور جو خود ہر ربانی سلسلہ کے صدق کا نشان ہوتا رہا ہے اسی سے ہم اپنی صداقت ثابت کرتے ہیں تعلیم کے متعلق میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے دو درخت ایک ہی شکل کے ہوں اسلئے بادی النظر میں امتیاز نہ ہو سکے مگر دکھایا جائے گا۔ کہ ان درختوں میں سے کونسا درخت موسم پر پھل دینے والا ہے پس جس کے پھل میٹھے ہونگے

وہی درخت کام کا ہے میرا یہ مطلب نہیں کہ اسلام دوسرے مذاہب پر از روئے تعلیم فوقیت نہیں دکھا سکتا وہ فوقیت تو میں دکھا چکا ہوں اور انشاء اللہ دکھاؤنگا مگر مینے ایک ایسی عملی شہادت کی طرف آپکو متوجہ کیا ہے جو ایک غیر مشکوک ثبوت اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ (چوتھا اجلاس ختم ہوا!)

پانچواں روز

حضرت صاحبزادہ صاحب کی تقریر

مینے کل بتایا تھا کہ اسلام میں دوسرے مذاہب کے خلاف یہ بات ہے کہ یہ درخت ثمردار ہے یہودیوں میں کوئی ملہم پیدا نہیں ہوتا۔ مسیحیوں کی کتابوں سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اب ان میں کوئی ملہم ہے البتہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ اسپر عمل کرنے والوں میں سلسلہ وحی و الہام ہے اور صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ ملہم ہوتے بھی ہیں سلسلہ الہام ہونا چاہیئے اس میں تو سب مذہب متفق ہو سکتے ہیں مگر ایسے ملہم ہیں بھی یہ عملی شہادت صرف اسلام میں پائی جاتی ہے۔ اب اگرچہ باوجود تساوی اشکال ایک کو پھل لگتا ہی اسکی فضیلت کا ثبوت ہے اور اس صورت میں تعلیموں کے مقابلہ کی ضرورت نہ تھی۔ مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ اسلام کی تعلیم بہترین تعلیم نہیں اسلئے میں موٹی موٹی باتیں بیان کرتا ہوں۔

ذات باری دیگر مذاہب میں اللہ کو ایسے رنگ میں پیش کیا گیا ہے جس سے جسمانیت کے ساتھ تعلق زیادہ معلوم ہوتا ہے ہندوؤں نے تو نام ہی ایسے رکھدیئے مثلاً اگنی وایو۔ اندر۔ اور ابتدائی حالت ہی انسان کی ایسی تھی کہ مثال سے ذات باری کا مسئلہ سمجھایا جا سکتا تھا مثلاً کہا گیا کہ وہ ایک آگ ہے جو بھسم کر دیتا ہے بعد میں اسکی نسبت غلط فہمی ہوئی اور آگ ہی کو پرمیشور سمجھ کر پوجا ہونے لگی۔ اسی طرح اسکے رحم کو بتانے کے لئے ماں یا باپ کا لفظ رکھا گیا + بائبل میں بھی ایسی مثالیں ہیں مثلاً خدا سے کشتی لڑنا اور نس چڑھ جانا۔ پھر ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ خدا پچھتایا۔ اور میں جانتا ہوں کہ یہ لفظ اسکے رجوع بہ رحمت بتانے کے لئے اختیار کیا گیا پھر جوں جوں نسل انسانی ترقی کرتی گئی شریعت کے الفاظ بھی صاف ہوتے گئے پہلے یہ بتانے کے لئے کہ اللہ تعالےٰ ایک زمانہ میں قوم کو بلند کرتا ہے اور پھر ایک زمانہ اس ترقی کو پورا کرنے کے لئے انہیں انکی حالت پر چھوڑ دیتا اور اسباب سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ دیتا ہے یہ فقرہ بولا گیا کہ خدا نے آرام کیا مگر جب نسل انسانی نے ترقی

کرلی ہو اور وہ بغیر اس قسم کے الفاظ کے اصل مطلب سمجھنے کے قابل ہو گئے تو لیس کمثلہ شیئ کی آیت نازل ہوئی اور ارشاد ہوا لقد خلقنا السموات والارض فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب ہم نے چھ وقتوں میں آسمان اور زمین بنائے اور تمام چیزیں چھ مراتب طے کرکے ہی کامل ہوتی ہیں مگر ہم اس سے تھک نہیں گئے نہ آرام کی ضرورت ہوئی۔

بیٹا۔ خاص پیار کے اظہار کے لئے تھا قرآن مجید نے صاف الفاظ میں اس تعلق کو واضح کیا اور فرمایا وقالوا اتخذ الرحمٰن ولداً سبحانہ بل عباد مکرمون پہلے کامل محبت کا مل تعلق بتانے کے لئے بیٹے کے لفظ کو استعمال کرنے کی ضرورت تھی مگر بعد میں عباد مکرمون سے اس حقیقت کو واضح کیا گیا۔ غرض قرآن مجید نے استعارہ کا کوئی لفظ استعمال بھی کیا تو ساتھ ہی تشریح بھی کردی اور اسلام نے خدا کو ایسے الفاظ میں پیش کیا کہ جس سے اسکی ذات کے متعلق کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔ یہ پہلی برتری ہے اسلام کی تعلیم کو دوسرے مذاہب کی تعلیم پر۔

عبادت۔ پھر عبادت کو لیجئے پہلے مذاہب چونکہ ایک ایک قوم کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اسلئے انکی عبادت کے طریقے بھی اسی قوم کے طرز ادب سے مخصوص تھے مگر اسلام کل دنیا کیلئے آیا اسلئے اسنے تمام اقوام کے طریق اظہار عزت و عبودیت کو جمع کر لیا۔ محبت اور عزت کے اظہار کے کئی طریقے ہیں زبان سے بولنا اور کچھ حرکات جسمانی ہیں مثلاً بعض قومیں جذبہ تعظیم کے لئے ماتھے کے بل گر جاتی ہیں بعض سینے پر ہاتھ رکھ لیتی ہیں بعض ہاتھ چھوڑ کر کھڑی ہوتی ہیں بعض تیل ٹوون گھٹنوں کے بل گر پڑتی ہیں۔ ہر قوم کی ایک رسم ہے اور اظہار ادب کا ایک طریق اور ہر قوم نے اپنی رسم کے مطابق خدا کی عبادت کے لئے ایک طریق اختیار کیا مگر اسلام چونکہ تمام دنیا کے لئے تھا اسلئے اسنے تمام فطرتوں کے تقاضا کو جمع کر لیا اور ہر فطرت کا جواب دیدیا۔ اسپر بعض نادانوں نے اعتراض کیا ہے کہ ظاہری باتوں کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے حالانکہ وہ دیکھتے ہیں کہ جسم کا اثر روح پر اور روح کا جسم پر پڑتا ہے مثلاً انسان کے دل میں ایک جذبہ محبت اٹھتا ہو تو معاً اسکا اثر چہرہ پر دکھائی دیتا ہے پھر وہی جذبہ حرکات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور پھر زبان سے الفاظ کے ذریعے بھی اس سے ثابت ہو کہ جسم کا اثر روح پر اور روح کا جسم پر ہو مسیح نے بھی کہا ہو کہ روح تو تیار ہو مگر جسم کمزوری کرتا ہے۔

یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ عبادت میں روح کے ساتھ جسم بھی چاہیئے۔ پس نماز جو اظہار عبودیت اور اظہار اطاعت کے لئے ہے اس میں زبانی الفاظ بھی چاہئیں۔ اور اپنے تمام جسم سے بھی یہ دکھانا کہ عابد عبودیت و اطاعت و تعظیم میں دل و جان سے مشغول ہے۔ اسلام نے روح اور جسم دونوں کے لئے سامان رکھا ہے ایک طرف تو وہ پابندیاں جو مشقت ڈالنے والی تھیں۔ وہ چھڑا دیں مثلاً برتن یا خاص ٹمپل میں جانا یا خاص گنگا کے پانی سے نہانا۔ یا خاص امام کے ساتھ پڑھنا اسکی بجائے فرمایا کہ الماء طہور اور ہر ایک پاک پانی وضو کے لئے کافی ہے اور ہر پاک زمین کا حصہ مسجد ہے اور ہر شخص جو مسائل دینیہ سے واقف ہو۔ پادری ہے اور دوسری طرف کچھ جسم کا تعلق بھی رکھا۔ دل ہی کی نماز نہ رکھی بلکہ زبان کے الفاظ اور بعض تعظیمی حرکات جسمانی ساتھ رکھیں اور یہ ضروری تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جہاں روح پر احسان ہے وہاں جسم پر بھی ہے۔ پس ضرور ہے کہ روح کیساتھ جسم بھی ہو غرض بہت سی قیود کو مٹا کر حدبندی کر دی ایسے الفاظ رکھے جس سے قرب الٰہی کی طرف توجہ ہو۔ اور ایسی حالتیں رکھیں جنکا اثر روح پر ہو نماز کی یہ حالتیں گاڑی کی مثال ہیں۔ جو اٹھا کر خدا کے پاس پہنچا دیتی ہیں۔ جو کسی سے ملنے جاتا ہے اسکا اکہ بھی ساتھ ہی نہیں ملا کرتا۔ کیونکہ وہ تو صرف ایک ذریعہ ہے وہاں تک پہنچانے کا۔ اسی طرح جسمانی حرکات ممد و معاون ہیں وصول الی اللہ میں وہ جس حد تک ضروری تھیں۔ لے لی گئیں۔

اسلام نے پانچ اوقات نماز کے لئے مقرر کئے پہلا وقت ہے تاریکیوں کے جانے اور روشنی کے آنے کا اسوقت مسلم ظاہری تغیر سے روحانی تغیر کی طرف متوجہ ہوتا اور دعا مانگتا ہے کہ جیسے یہ جسمانی سورج چڑھ رہا ہے اسی طرح مجھ پر روحانی سورج چڑھا دو۔ پھر جب زوال کا وقت آتا ہے تو مسلم گھبرا کر خدا کے حضور کھڑا ہو جاتا ہے کہ میری روحانی روشنی میں زوال نہ ہو۔ پھر جب ڈوبنے کے قریب ہوتا ہے تو مسلم خدا کے حضور گرتا ہے کہ یہ تو ڈوبنے لگا مگر میرے مولیٰ ہم نہ ڈوبیں پھر جب سورج ڈوب جاتا ہے تو مسلم کی دعا ہوتی ہے کہ دنیا میں بڑی بڑی مشکلات ہیں الٰہی تاریکی تو قانون قدرت کے ماتحت ہے مگر تاریکی میں تیرا ساتھ نہ جدا ہو۔ سورج کے پرستار کی عبادت اسوقت ختم ہو گئی ہے مگر میری عبادت ختم نہیں ہوتی۔ کیونکہ میرا خدا تو غروب نہیں ہوتا وہ تو ہر وقت اپنے انوار برساتا رہتا ہے۔ پھر جب دنیا سونے لگتی ہے تو مسلم کے لئے

ضروری ہو کہ اسوقت بھی خدا کے حضور جھکے اور ایکبار خدا کا نام لے لے دیکھئے اسلام کی اعلیٰ تعلیم کہ ہر ترقی کے لئے خدا کی مدد۔ اور ہر تنزّل کے لئے خدا کی پناہ۔ ہر مُصیبت کے کمال میں خدا ہی یاد دلایا جاتا ہی پھر دنیا چھوڑنے کے وقت بھی خدا ہی کا نام پھر ہر حالت میں نماز کا حکم برقرار رکھا جب دین کی ابتدائی حالت تھی اسوقت بھی نماز۔ اور جب حضرت عمر کے زمانے میں اسلامی شوکت کا وقت تھا تب بھی نماز صلح میں بھی نماز جنگوں میں بھی نماز کہ خدا پر بھی بھروسہ ہے اور اسی کے ساتھ ایک طرف جو پابندیاں تھیں۔ وہ مٹا دیں اور دوسری طرف جسم کی ایسی باتیں رکھ لیں جو روحانی ترقی میں ممدّ و معاون ہوں۔ ظاہری پاکیزگی چونکہ غفلت دُور کرنے اور چستی کے حصول کا ایک ذریعہ ہے اسلئے اسے وضو کی حد تک رکھ لیا اور غسل کی پابندی جو تکلیف مالایطاق ہے وہ چھوڑ دی۔ نماز میں جو دعا سب سے پہلے پڑھی جاتی ہو وہ سورہ فاتحہ ہے اسکا بھی دوسرے مذاہب کی دعاؤں سے مقابلہ کیجئے۔

دعاؤں کا فرق الحمد للہ رب العٰلمین۔ ہر طرح کی حمد اللہ کے لئے ہی کیوں ہو کہ وہ ربّ العالمین ہے جسم کے لئے ربوبیت کی ضرورت ہی تو روح کے لئے بھی پھر وہ نہ صرف مومنوں کا بلکہ تمام مذاہب کے افراد کا۔ دہریوں کا بھی اور یہ تو انسان ہیں حیوانوں کل پرندوں کا نباتات کا رب ہے میں نے دیکھا ہی کہ ہر کھانے کی چیز میں اس نے حیوانات کا حصہ بھی رکھدیا۔ غلّہ پیدا کیا تو ایک حصہ بھوسہ بھی رکھا تا چارپایوں کے کام آئے ورنہ انسان ایسا حریص تھا کہ بہت کم حصہ انکو دیتا۔ آم میں رس رکھا مگر کچھ نہ کچھ اسکا چیونٹیوں کے لئے رہ ہی جاتا ہے گوشت میں ہڈیاں ہیں انسان انہیں پھینکتا ہے اور وہ کتوں کی مرغوب غذا ہے (آپنے ربوبیت کا بیان ایسا مفصّل کیا کہ سامعین وجد میں آگئے) غرض عالمین میں اپنے سوا سب کچھ لے لیا پھر فرمایا الرحمٰن الرحیم نہ صرف پیدا کر کے تربیت کرتا ہے بلکہ بلا کسی محنت کے انعامات دیتا ہے مثلاً پانی سورج اور یہ عدل کے خلاف نہیں پھر وہ محنت کرنے والوں کو بہتر سے بہتر بدلہ دیتا ہے۔ مٰلک یوم الدّین۔ جزا و سزا کا مالک ہے جج نہیں جج اور مالک میں فرق ہے مالک کسی چیز کو معاف کر سکتا ہی اور اسمیں وہ ظلم یا حق تلفی نہیں کرتا۔ مثلاً زید ایک سزا کا مستحق ہے اور جس بارے میں وہ سزا کا مستوجب ہُوا وہ چیز تو خدا ہی کی ملکیت ہو پس اگر وہ چھوڑ دے تو کسی کا اسمیں حرج نہیں۔ تحصیلدار سے کوئی خزانہ لے جائے اور گورنمنٹ معاف کر دے تو اب تحصیلدار پر کوئی الزام نہیں۔ عادل کے معنے اتنے ہی ہیں کہ کسی کا حق دبا نہیں لیا۔ کسی پر وہ انعام کرے تو یہ ظلم یا عدل

کے خلاف نہیں ایسے محسن اور بہمہ اوصاف موصوف رب کے لئے بے اختیار منہ سے نکلتا ہی ایاک نعبد وایاک نستعین اور پھر جوش محبت میں مومن پکار اٹھتا ہے کہ مولیٰ مجھے نزدیک سے نزدیک رستہ اپنے حضور میں آنیکا دکھائیو اور ہر قسم کے دُکھ سے بچائے۔ غرض اس دعا میں وہ تمام الفاظ جمع ہیں۔ جو انسان کی طرف سے جذبہ شوق و محبت کے اظہار کے لئے ہو سکتے ہیں اور اس دعا کا مقابلہ دنیا کے کسی مذہب کی کوئی دعا نہیں کر سکتی (الحمد کی تفسیر بہت طویل تھی اور اسمیں عجیب و غریب معارف تھے مینے مختصر بعض باتیں لکھی ہیں) (پانچواں اجلاس ختم ہوا)

چھٹا روز

تقریر حضرت صاحبزادہ صاحب

کل تعلیمی فضیلت کے متعلق دو باتیں بیان کی تھیں۔ ذات باری کے متعلق۔ عبادت کے متعلق اب یہ بتاؤنگا کہ بندوں کے بندوں کے ساتھ خدا کے کیسے تعلق ہیں۔

یہ مسئلہ صرف قرآن نے حل کیا ہے دوسرے مذاہب نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے بیان ہی نہیں کیا۔ یا امتداد زمانہ سے وہ تعلیمیں مٹ گئیں اسلام نے بتایا ہے کہ شریعت ایک امتحانی کورس ہے ایک دوست دوسرے دوست کی رضامندی کی راہیں معلوم نہیں کر سکتا جبتک کہ وہ خود اسے نہ بتائے تو خدا جو وراء الوراء ہستی ہے۔ اسکی خوشنودی کی راہ بغیر اسی کے بتائے کیونکر معلوم ہو سکتی پس ضروری تھا کہ خدا تعالےٰ وہ باتیں بتاتا جن میں اس خالق و مالک کی رضامندی ہے۔ اور یہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں۔ قرآن کریم کوئی ایسا حکم نہیں دیگا۔ جس سے بندے کا نقصان ہو۔ کیونکہ شریعت کی غرض یہ ہے کہ انسان کو آرام کی زندگی حاصل ہو۔ خود خدا کی ذات کا اسمیں فائدہ نہیں۔ اب شریعت کے جو احکام ہیں۔ انہیں انسان کسی نہ کسی طرح توڑ دیتا ہے اور یہ توڑنا اس کے اپنے اختیار سے ہے کیونکہ شریعت کے احکام ہی ان امور کے بارے میں ہیں جو انسان کی مقدرت میں ہیں مگر پھر بھی اس نقص کو دیکھکر (کہ انسان تمام شریعت کے احکام پر عمل نہیں کرتا) بعض مذاہب نے تناسخ کا مسئلہ مقرر کر لیا۔ اور بعض نے کفارہ کا۔ بعض نے خاموشی اختیار کر لی جیسے یہود

مسیحیت نے کفارہ نکالا۔ ہندوؤں نے تناسخ۔ مگر اسلام نے فرمایا ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ الا تذکرۃ لمن یخشیٰ یعنے شریعت کی یہ غرض نہیں کہ تمہیں دکھ میں ڈالدیا جائے بلکہ یہ تو تمہارے نفع کے لئے اور تمہارے آرام کے لئے ہے (اسی) جس قدر سزائیں ہیں۔ وہ بھی اصلاح ہی کے لئے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون یعنے عذاب رجوع الی الحق اور اصلاح کے لئے ہے پھر فرماتا ہے امہ ھاویہ یعنے سزا اصلاح کے لئے ہی جیسے ماں کے پیٹ اور گود میں بچے کی تربیت ہوتی ہے۔ خدا بدلہ نہیں لیتا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ گند دور ہو کر وہ علیین میں آنے کے قابل ہو۔ سونے کو آگ میں اسی لئے ڈالا جاتا ہے کہ میل علیحدہ ہو۔ شریعت لعنت نہیں بلکہ مثل ایک امتحانی کورس کے ہے۔ حشر یوم الامتحان ہے اور اعمال پرچے اور اسمیں پاس ہونا اسی طریق سے سمجھ لو۔ جیسے آجکل یونیورسٹیوں میں بعض سوالوں کا جواب نہ دینے پر بھی پاس کر دیتے ہیں چنانچہ اسی لئے فرمایا الوزن یومئذ الحق اور فرمایا فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ۔ یعنی جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو۔ وہ راحت والی زندگی پائے گا۔ شریعت بیشک تمام ہی عمل کے لئے ہے جیسے یونیورسٹی کا تمام کورس پڑھنے اور جواب دینے کے لئے ہوتا ہے مگر کورس بذاتہ کوئی مقصود چیز نہیں۔ بلکہ استعداد پیدا کرنیکے لئے ہوتا ہے اور مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان ایک خاص درجہ تک جو نجات دلانے والا ہو پہنچ جائے جیسے بی اے کورس کی غرض متعدد کتب کا یاد کرنا نہیں بلکہ خاص استعداد پیدا کرنا ایسے ہی نماز کی غرض اٹھنا بیٹھنا نہیں۔ بلکہ وہ استعداد پیدا کرنا جس سے انسان خدا کے حضور حاضر ہونیکے قابل ہو سکے اور وہ ادب پیدا کرنا جو اپنے مالک و محسن کے حضور ہونا چاہئے۔ پس امتحان کے وقت یہ دیکھا جائیگا کہ اس میں وہ استعداد آگئی ہے یا نہیں جو اسکی کامیابی کے لئے کافی ہے۔ تمام دنیا میں کثرت پر کل کا حکم دیا جاتا ہے۔ جب بیماری کے اجزاء کم ہوں اور صحت کے زیادہ تو کہتے ہیں یہ شخص تندرست ہے۔ اسی طرح کسی کی بدیاں کم ہوں اور نیکیاں زیادہ تو اسے نیک ہی کہا جائیگا۔ بدیاں زیادہ ہوں اور نیکیاں کم تو برا کہا جائیگا۔ بڑے سے بڑے بدکار میں بھی کوئی نہ کوئی نیکی ہوتی ہے مگر چونکہ کم ہے اس لئے جس چیز کی کثرت ہے اسپر حکم دیا جاتا ہے۔ ہاں ایک اور بات ہے کہ بعض پرچے ایسے ہوتے ہیں۔

کہ ان کا جواب نہ دینے سے امتحان دینے والا فیل سمجھا جاتا ہے اسی طرح شریعت کے بعض احکام کا حال ہے کہ انکے خلاف کرنے سے انسان نجات نہیں پا سکتا اور وہ اصول ہیں مثلاً خدا کا انکار ملائکہ کا انکار۔ انبیاء کا انکار۔ کتب کا انکار۔ الیوم الآخر کا انکار۔ قدر خیر و شر کا انکار۔ بعث بعد الموت کا انکار۔ اور بعض احکام ایسے ہیں۔ کہ ان میں ثقلات موازنہ کا قانون چلتا ہے۔ اگر شریعت کا ایک حکم توڑنے سے نیک۔ بد ہو جاتا ہے۔ تو پھر برائی کے لئے بھی یہ شرط ہوتی چاہیئے۔ کہ کل نیکیاں چھوڑے۔ تب بد کہلائے۔ حالانکہ جس میں برائیاں زیادہ اور نیکیاں کم ہوں اسے نیک کہتے ہیں۔ باقی اس حد کا موازنہ جس سے انسان نجات کا مستحق ہوتا ہے۔ اللہ کے اختیار میں ہے

ایک اور بھاری ٹھوکر بعض مذاہب خصوصاً مسیحیت کو لگی ہے کہ ان کے نزدیک خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے بدکاروں کو بھی بھیج دیتا ہے مگر اسلام کہتا ہے کہ خدا پاک نفسوں کو بھیجتا ہے اسی لئے قرآن مجید میں انبیاء کے نام لیکر فرمایا۔ کل من الصّٰلحین۔ جو لوگ لوگوں کی ہدایت کے لئے بطور نمونہ بھیجے جائیں وہ بُرے نہیں ہو سکتے۔ ڈپٹی کمشنر ضلع کا قانون توڑنیوالا نہیں ہوتا۔ بلکہ قانون پر چلانے والا ہوتا ہے۔ اگر نبی بدکار بھی آ سکتے تھے تو موسیٰ کی کیا ضرورت تھی یہ فرعون ہی کام چلا دیتا۔ ضرورت تو یہ ہوتی ہے۔ کہ دنیا میں خدا کے بندے آئیں۔ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرکے اسکے حکموں پر چل کر دکھائیں نہ یہ کہ وہ خود قانون توڑیں اور دوسروں کو کہیں کہ قانون پر چلو۔ قرآن مجید نے کہا ہے کہ خدا کے فرستادے سب نیک ہوتے ہیں۔ مگر بائبل نے اسکے فرستادوں کو بدکار دکھایا۔ اصل میں بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو ذلیل کرنے ہی سے اپنی عزت ثابت ہو سکتی ہے۔ حالانکہ بہادری یہ ہے کہ دوسروں کو بزرگ ثابت کرکے پھر اپنی فضیلت ان پر ثابت کی جائے۔ مسیحیت نے سب نبیوں کو بدکار کہا تا مسیح کی فضیلت کا نقش بیٹھے مگر اسلام نے پہلے تمام نبیوں کی تعریف کی۔ اور پھر اپنے نبی کی فضیلت ان پر بتائی جاہلوں میں عالم کہلانا کوئی فخر کی بات نہیں۔ عالموں میں اعلم ہونا فخر کی بات ہے ہسپتال کے مریضوں میں کسی کا جا کر کہنا۔ ہے کوئی تندرست بیہودہ بات ہے۔ تندرستوں میں کھڑے ہو کر اپنی اعلیٰ تندرستی کا ثبوت دو۔ مذاہب نے ایکدوسرے کی عیب چینی ہی میں اپنی برتری دیکھی مگر قرآن مجید نے انکی صداقتوں کی قدر کی۔ اور اپنے آپکو کل صداقتوں کا مجموعہ ثابت کیا قالت الیھود لیست

النصارٰی علی شیئٍ الآیۃ یہود کہتے ہیں نصارٰی کے پاس کچھ نہیں اور نصارٰی کہتے ہیں یہود کے پاس کچھ نہیں حالانکہ ایک کتاب کو دونوں مانتے ہیں۔ یہ خوبی تو تھی جو دونوں کو ایک دوسرے میں تسلیم کرلینی چاہیئے تھی۔ بائبل نے سلیمان پر شرک کا الزام لگایا۔ قرآن مجید نے ماکفر سلیمان سے ہٹایا اصل میں حضرت سلیمان کے خلاف ایک کوشش ہو رہی تھی۔ اور یہود کو انکے خلاف اکسانے کے لئے اکسانے والوں کے پاس اور کوئی وجہ نہ تھی۔ سوائے اسکے کہ انہیں (حضرت سلیمان کو) بت پرست قرار دے کر بغاوت کروادی جائے۔ وہ حضرت سلیمان کے عہد میں تو کامیاب نہ ہو سکے۔ مگر اسکے بیٹے کے عہد میں ہو گئے قرآن مجید نے ان تمام الزامات کی تردید کی۔ اور فرمیسنوں کا ذکر بھی کیا۔

میں جانتا ہوں کہ اسوقت آپکے دل میں قرآن مجید کی بعض آیات کھٹک رہی ہیں۔ سو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے متعلق ایسی آیات کو لیتا ہوں۔ ان کے متعلق اصول کے طور پر یہ بات یاد رکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحب شریعت نبی تھے آپکو معلوم ہے کہ مجسٹریٹ جب فیصلہ لکھواتا ہے کہ تمہیں چھ سال قید۔ تو لکھنے والا چیخ نہیں اٹھا کرتا۔ کہ حضور میرا کیا قصور ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ مجرم کے لئے ہے۔ اسی طرح نبی کو خطاب کرکے جو حکم ایسا دیا جائے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو اسکی زیر تبلیغ ہیں۔ اسکی مثال قرآن مجید سے بیان کرتا ہوں۔ فلا تقل لہما اف ولا تنھرھما۔ کہ تو ماں باپ کو اف تک بھی نہ کہ اور نہ ان دونوں کو جھڑک۔ حالانکہ اس امر کا مسیحیوں کو بھی اقرار ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اس آیت کے نزول تو کیا۔ نبوت ملنے سے بھی بہت پہلے فوت ہو چکے تھے۔ پس یہ حکم نبی کی معرفت امت کو دیا گیا

اسی طرح ووجدک ضالًا اگر ایک طرف فرمایا ہے تو یہ بھی فرمایا کہ ماضل صاحبکم وما غوٰی۔ اب ضال کے بہت سے معنوں میں سے وہ معنی ہم لینگے۔ جس سے ان دونو آیات میں اختلاف لازم نہ آئے۔ کیونکہ یہ تو صحیح نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک طرف تو فرمائے کہ تو گمراہ تھا۔ اور دوسری طرف فرمائے تو کبھی گمراہ ہوا ہی نہیں۔ بلکہ گمراہی کی بات کی خواہش بھی نہیں ہوئی سو ہم لغت میں دیکھتے ہیں کہ ضال کے معنے کمال درجہ کی محبت کرنیوالے کے بھی ہیں پس معنے یہ ہوئے کہ ہمنے تجھے محبت میں بڑھنے والا پایا۔ اور جوں جوں تو محبت میں بڑھتا گیا۔ ہم تمہیں عرفان پر عرفان دیتے گئے۔ یہ جس سورۃ میں ہے وہی سورۃ اسکو حل کر دیتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ الم یجدک یتیما فاوٰی (کیا تجھے یتیم نہیں پایا پھر تمہیں پناہ دی) اب اسکے مقابلہ میں فرماتا ہے فاما الیتیم فلا تقہر پہلے فرمایا ووجدک ضالا فھدٰی۔ اسکے مقابلہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ واما السائل فلا تنھر یہ بتایا کہ جیسے تم ہمارے دیدار کے سائل ہماری محبت میں بیتاب تھے اور ہم نے تمہیں اپنے وصل کی راہ بتادی ایسے ہی تو بھی کسی سائل کو جھڑکنا نہیں۔ ضال کے مقابلہ میں سائل رکھکر اسکے معنے حل کر دئے پہلے فرمایا ووجدک عائلا فاغنٰی اسکے مقابلہ میں فاما بنعمۃ ربک فحدث فرمایا۔ ایک اور ترتیب بھی اس سورۃ کی ہے یتیم کا کوئی والی وارث نہیں ہوتا۔ اسلئے اسکی تربیت ایسے طور پر کر جس سے وہ مقہور نہ ہو۔ حد سے زیادہ پیار سے بھی یتیم بگڑ جاتا ہے پھر جو سائل آئے اسے بھی دے۔ اور نہ صرف یتیم کی خبرگیری اور سائل کی خبرگیری کر بلکہ لوگوں میں اعلان کر کہ آؤ میں تمہیں دیتا ہوں بلکہ وہ خزانہ جو اسکے پاس ہے وہ لیکر خود لوگوں کے گھروں تک پہنچے (یہ تفسیر بہت لمبی تھی اور عیسائی جنٹلمین پکار اٹھا۔ کہ یہ تفسیر تو ایک معجزہ ہے)

ذنب کے متعلق بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسکے کئی معنے ہیں۔ اب جس کے بارے میں فرمایا (ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ) کہ وہ بہترین نمونہ ہے۔ پیروی کیلئے اور جسے ماڈل قرار دیا ہے اسکے لئے اگر ذنب کا لفظ آئے تو اسکے وہ معنے نہیں لئے جاتے۔ جو عام مجرموں کے لئے کئے جاتے ہیں یعنے گناہ کے کیونکہ خدا تعالےٰ تو بایدی سفرۃ کرام بررۃ فرماکر رسول اللہ کے صحابہ کو بھی معزز اور نیکوکار اور مصلح قرار دیتا ہے پھر ارشاد ہوتا ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یعنی جو اس رسول کی اتباع کرے اسے میں اپنا محبوب بنا لیتا ہوں پس کیونکر ہوسکتا ہے کہ جسکی پیروی خدا کا محبوب بنا دیتی ہے وہ گنہگار اور نافرمان بھی ہو۔ خدا تو ان اللہ لا یحب الظٰلمین سے فرماتا ہے کہ وہ ظالموں کو محبوب نہیں بناتا پس جس کے متبع بھی محبوب الٰہی بنجائیں۔ وہ خود ظالم یا گنہگار کیونکر ہوگا۔

چھٹا اجلاس ختم ہوا

ساتواں روز

کل ذنب و استغفار پر گفتگو تھی - اور میں نے بتایا تھا - کہ گناہ کے لئے مختلف الفاظ ہیں - عدوان جناح - اثم - عصیان - اور یہ کسی نبی کے لئے استعمال نہیں ہوتے - پس ذنب اور جناح میں فرق ہے - ذنب زائد بات کو کہتے ہیں - اور قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی ہم دیکھتے ہیں - ذنب و استغفار کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہیں ہے جہاں فتوحات کا ذکر ہے - پس اس مناسبت کو سمجھنے سے ذنب و استغفار کے معنے حل ہو جائینگے - اگر یہاں معنے گناہ اور گناہ سے معافی طلب کرنے کے ہیں تو بتائیے اس کے ساتھ فتوحات کا کیوں ذکر کیا ہی کیا فتح و ظفر کا انعام گناہ پر ملا کرتا ہے یا فتح ہو جانیسے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگر یہ بات نہیں اور فی الواقع نہیں - تو پھر ان آیات کے معنے پر غور چاہیئے -

(۱) انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر ويتم نعمته عليك ويهديك صراطا مستقيما -

(۲) اذا جاء نصر الله والفتح ورايت الناس يدخلون في دين الله افواجا فسبح بحمد ربك واستغفره انه كان توابا -

(۳) فهل ينظرون الا الساعة[1] ان تاتيهم بغتة فقد جاء اشراطها فانى لهم اذا جاءتهم ذكرهم فاعلم انه لا اله الا الله واستغفر لذنبك وللمومنين والمومنت والله يعلم متقلبكم ومثوٰكم (سورہ محمدؐ)

(۴) فاصبر ان وعد الله[2] حق واستغفر لذنبك وسبح بحمد ربك بالعشي والابكار -

ان ہر چہار آیات میں دیکھئے جہاں ذنب سے استغفار کا حکم ہے ساتھ ہی فتوحات کی بشارت ہے - اسکی وجہ یہ ہے کہ معلم جب تعلیم دینے لگتا ہی تو کم تعداد کو تو وہ سنبھال سکتا ہے - مگر جب

---

[1] یہاں ساعت سے مراد فتح مکہ کا وقت ہے [2] وہی یوم الفرقان فتح مکہ کا وعدہ

شاگردوں کی تعداد بڑھ جائے تو کنٹرول نہیں رکھ سکتا۔ اور اس سے تعلیم کے اثر میں ایک نقص پیدا ہو جاتا ہے پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے بھی فتوحات کے بعد بہت سے نئے پیرو آنے تھے اور ان کی تعلیم و تربیت میں بوجہ کثرت ایک قسم کا نقص پیدا ہوتا تھا۔ اس نقص کے بد اثر سے محفوظ رہنے کے لئے یہ دعا سکھائی گئی۔ کیونکہ وہ نو مسلم جو مرکز سے دور دراز علاقوں میں تھے۔ وہ ایسی تعلیم و تربیت کہاں پا سکتے تھے۔ جو پاس رہنے والے یا بار بار حاضر ہونے والے پا سکتے تھے۔ پھر نہ صرف عرب کے لوگ بلکہ عجم میں بھی اسلام کا سلسلہ بڑھنا تھا۔ اور مختلف المذاق۔ مختلف الاحوال۔ مختلف الطبائع لوگوں کے ملنے سے قوم پر اور ہی اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ دو چار سو سال کے بعد جب کثرت سے عیسائی لوگ مسلمانوں میں آئے تو اپنے ساتھ حیات مسیح کا عقیدہ لائے جو بڑھتے بڑھتے تمام مسلمانوں میں پھیل گیا اور اس غلط فہمی کی وجہ سے کئی لوگ مسیح موعود کے ماننے سے محروم رہے۔ اسی طرح یہود اپنی روایات کو ساتھ لائے اور اس سے لوگوں پر نبیوں کی پہچان مشکل ہو گئی۔ لیکن پھر بھی یہ خرابی ایسی نہیں پھیلی۔ جیسی دوسری اقوام میں کیونکہ امت محمدیہ کا کوئی نہ کوئی گروہ حق پر قائم رہا۔ اور اصل دین بگڑا نہیں۔ اور یہ سب اسی دعا کا اثر تھا۔ جو نبی کریم کو فتوحات کی آمد سے پہلے مانگنے کا حکم ہوا۔ اسی لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں فتح مبین دی ہے یعنے صرف فتح جسمانی ہی نہیں بلکہ اسکے ساتھ فتح روحانی بھی دی۔

(بندوں کے بندوں کے ساتھ تعلق کیسے ہوں)

اب اسکے بعد میں آپکو یہ بتاتا ہوں کہ بندوں کے بندوں کے ساتھ کیا تعلق رکھنے چاہئیں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی آیت میں اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے فرماتا ہے ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون (سورۃ نحل) انسان دنیا میں جیسا سلوک اپنے ساتھ چاہتا ہے۔ ایسا ہی وہ دوسروں کے ساتھ کرے۔ لوگوں کے حقوق پورے ادا کرے اگر وہ ملازم ہے تو آقا کی خدمت معاوضہ کے مطابق بجا لائے اگر آقا ہے تو غلام کو اسکی خدمت کا پورا حق دے اگر سوداگر ہے تو کم نہ تولے نہ ماپے نہ دھوکہ کرے۔ غرض کسی کی حق تلفی نہ کرے یہ تو عدل ہے اس سے بڑھکر یہ بات ہے کہ حق سے زیادہ دے یا نیک سلوک سے بڑھکر نیک سلوک کرے۔ پھر اس سے بھی عمدہ یہ بات ہے کہ احسان والے کو تو پھر خیال ہوتا ہے کہ اگر میں احسان کرتا ہوں تو یہ میرے ساتھ احسان کر دیگا۔ مگر یہ سلوک کو محض سلوک کی خاطر کرے

اور نیکی کو صرف نیکی سمجھ کر بجا لائے اور طبعی جوش سے کسی کو راحت پہنچائے جیسے ماں بچہ کی خدمت کرتی ہے اور محبت سے اسکی خبرگیری بغیر خیال اسکے کہ بیٹا بھی میرے ساتھ احسان کرے گا۔

اب ان تین سے باہر کوئی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ دوسری طرف فحشاء و منکر و بغی سے روکا۔ فحشاء سے رُکنا یہ کہ نفس میں بھی بدی پیدا نہ ہو۔ اور مُنکر یہ کہ ان بدیوں سے رُکے جو لوگوں کو ناپسندیدہ ہوں البغی حد درجے کی بدیاں۔ اب اس سے بڑھکر کوئی اور تعلیم نہیں جو بدی سے روکے۔ عدل کے مقابلہ میں فحشاء سے روکا۔ احسان کے مقابلہ میں منکر سے روکا۔ ایتاء ذی القربیٰ سے البغی سے روکا۔ عدل کریگا بغی سے چھٹ جائیگا۔ گویا پہلی نیکی آخری بدی چھڑائیگی۔ درمیانی نیکی درمیانی بدی سے روک دیگی اور نیکی کی ذاتی محبت منکر و بغی و فحشاء سب سے رکوا دیگی۔ یہ تو اجمالی حکم ہے۔ اب تمام احکام شریعت اسی اصول کے ماتحت ہیں۔

زکوٰۃ:۔ اوّل زکوٰۃ کا مسئلہ لو۔ صدقہ تو بائبل میں بھی موجود ہے مگر صدقہ میں ایک شرط ہے کہ لوگ ایک دوسرے پر احسان نہ جتائیں اسلئے بہترین طریق یہ تھا کہ مال جو صدقہ دیا جائے۔ وہ کسی تیسرے کے ذریعے مستحق کو ملے تا احسان نہ جتایا جا سکے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جن پر کسی کا احسان ہو۔ وہ اسکے سامنے آنکھ اٹھا نہیں سکتے اور اس طرح پر رفتہ رفتہ قوم کے ایک حصہ میں جبن اور بے غیرتی پیدا ہو جاتی ہے پس اسلام نے یہ انتظام کیا کہ ایک فنڈ قائم کیا۔ جس میں صدقات جمع ہوں۔ اور پھر اپنے طور پر غرباء میں تقسیم ہوں۔ تا کوئی غنی کسی فقیر یا مسکین کو یہ نہ کہہ سکے کہ تو میرا زکوٰۃ خوار ہے اسلام اپنے ماننے والوں میں جرأت اور مردانگی پیدا کرنا چاہتا ہے اس نے امام کو حکم دیا کہ خذ من اموالہم صدقۃً تطہرہم وتزکیہم بہا اور ادھر اسکی وجہ رسول اللہ نے بتادی کہ یؤخذ من اغنیائہم ویرد الی فقرائہم۔ یورپ میں دو قسم کے خیالات والے ہیں۔ اکانومسٹ اور سوشلسٹ۔ ایک کہتے ہیں کہ سرمایہ دار ونکی مدد کرنی چاہیئے کیونکہ انہوں نے مال کو خطرہ میں ڈالا ہے ایک کہتے ہیں کہ مالداروں سے چھین کر غریبوں کو دینا چاہیئے۔ دونوں خیالات ناقص ہیں۔ اسلام نے اپنے حکم سے لیول برابر کر دیا۔ ایک طرف مالداروں کو کہا کہ یہ ٹیکس دینے سے غلطیوں کا کفارہ ہو جاتا ہے دوسری طرف غرباء کو ان کا حق دلایا۔ پھر وہ لینے والا نہ حریف کے مقابل میں شرمندہ بھی نہیں کیونکہ وہ تو گورنمنٹ سے وظیفہ پاتا ہے نہ کہ کسی خاص دولتمند سے۔

پردہ :۔ آپ نے ارتقاء کے بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ پہلے زنا کا حکم تھا۔ مسیحؑ نے کہا شہوت کی نظر سے نہ دیکھ مگر اسلام کہتا ہی۔ تو دیکھ ہی نہیں بلکہ نیچی نظروں سے چلنے پھرنے کی عادت ڈال لے کیونکہ شہوت تو پیدا ہوتی ہی دیکھنے سے۔ پس دیکھنے کی اجازت اور کہنا شہوت کی نظر نہ ہو۔ ایک ایسا حکم ہے جو عملی رنگ میں نہیں آسکتا۔ اسلام میں مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو غض بصر کا حکم ہی۔ اسلام عورتونکو اندر بند نہیں کرتا۔ ہندوستان میں جو پردہ رائج ہی۔ یہ اسلامی پردہ نہیں۔ بلکہ احتیاطی پردہ ہے اور جن حالات میں ہم رہتے ہیں اسکے لئے ضروری اور بامر مجبوری ہی کیونکہ اسلام میں جو زنا کی یا کسی عورت کی ہتک کی سزا ہے وہ تو دی نہیں جاسکتی۔ پس اپنی حفظ آبرو کے لئے احتیاطی پردہ ضروری ہو گیا۔

نکاح پھر اسلام نے نکاح و طلاق کے متعلق جو قواعد رکھے ہیں وہ ایسے ہیں کہ کوئی مذہب ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ بلکہ کل دنیا والے ناچار انہی قواعد پر عمل کرتے ہیں۔ اسلام زندگی سدھارنے اور اسکو باآرام بنانے کے لئے آیا ہی زنا کے سوا بھی ایسے اسباب ہیں۔ جن سے میاں بی بی بعض اوقات اکٹھے نہیں رہ سکتے ان حالات کے لئے طلاق کی اجازت ہی اب ایک طرف تو فرمایا فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئا و یجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا (اگر تم کسی وجہ سے ان سے نفرت رکھو تو خدا کی خاطر محبت سے گزارہ کرو۔ اللہ خیر کثیر کا ذمہ وار ہے) اور یہ کہ ابغض الحلال عند اللہ الطلاق اور دوسری طرف طلاق کی اجازت بھی دیدی۔ مگر اسکے لئے اور شرائط رکھیں (۱) حیض میں طلاق نہ دے۔ کیونکہ بعض لوگ کسی نفسانی جوش سے مغلوب ہو کر طلاق دے بیٹھتے ہیں۔ پس وہ دن ہوں کہ میاں بی بی کو ملنے کی اجازت ہو (۲) پھر تین بار مختلف طہروں میں طلاق ہو (۳) جھگڑا ہو تو طرفین سے حکم مقرر ہوں۔ غرض ایسی شرائط ہیں کہ انکو پورا کرکے انسان اسی وقت طلاق دے سکتا ہی کہ آپس میں تعلقات کا قائم رکھنا ناممکن ہو جائے۔

(بعد از نماز مغرب)

ابتک میں نے انسان کے انسان کے ساتھ تعلق بتلائے ہیں۔ عام تعلقات کے لحاظ سے زکوٰۃ کا مسئلہ اور گھر کے تعلقات میں بی بی کے حقوق۔ اب اور سنیئے کہ اسلام نے عورت کو اسکے مال کا مالک بنایا ہے۔ انجیل میں کوئی ایسی آیت نہیں جو عملی طور پر اس خصوص میں کام آنے والی ہو۔ پھر عورت

کو مال وراثت (ترکہ میت) میں بھی حصہ دار رکھا ہے ماں عورت کا حصہ نصف ہے کیونکہ مرد پر دوہری ذمہ داری ہے ایک اپنا خرچ دوسرا بیوی بچوں کا نان ونفقہ۔ اسلئے اسکا حصہ ڈبل کر دیا۔ تورات میں والدین کے لئے کوئی حصہ نہیں۔ مگر قرآن مجید میں ماں باپ کو بھی حصہ ملتا ہے۔

تجارت۔ اب معاملات کو لیجئے پچھلی کتابوں میں اگر کسی حکم کی کمی تھی تو اسے پورا کر دیا اور اگر پورا حکم تھا تو اسے لے لیا۔ غرض تمام خوبیاں جو اور مذاہب میں تھیں وہ اسمیں موجود ہیں۔ تمام ضروریات وفوائد انسانی کو شریعت اسلامیہ کے احکام حاوی ہیں۔ تورات کہتی ہے اپنے بھائی سے سود نہ لے قرآن مجید نے کہا نہ غیر سے لے نہ اپنوں سے کیونکہ ظلم اپنے پر بھی جائز نہیں اور غیر پر بھی جائز نہیں

حلت وحرمت کا مسئلہ

تورات نے بعض جانداروں کو حرام ٹھہرایا۔ مگر اسکی کوئی وجہ نہیں بتائی اسلام جو تمام جہان کے لئے تھا۔ اس نے وجہ بھی بتائی اور قواعد بتا دیئے تا ہر جگہ رہنے والے اپنے اپنے علاقوں کے حالات کے مطابق فیصلہ کر سکیں۔ چنانچہ فرمایا۔ کہ نقصان دہ چیزیں نہ کھاؤ۔ جو خواہ جسم کے لئے نقصان دہ ہوں یا روح کے لئے یا اخلاق کے لئے۔ المیتۃ۔ الدم۔ لحم الخنزیر۔ ما اھل بہ لغیر اللہ سب حرام ہیں۔ مردار خواروں کی عقل موٹی اور بھی الٰہیات کو کما حقہا نہیں سمجھ سکتے۔ خون میں زہروں کا مجموعہ ہوتا ہے یہ طب کی مسلم بات ہے۔ خنزیر کا گوشت اخلاق پر اثر انداز ہی کیونکہ اسمیں ایک ایسی بات ہے جو دوسرے جانوروں میں نہیں پائی جاتی۔ نذکار پر چڑھنا جو چیز غیر اللہ کی طرف منسوب ہوگی اس سے نفرت نہ رکھی جائے گی تو غیرت ماری جائے گی۔

پھر اثمھما اکبر من نفعھما سے یہ بتلا دیا۔ کہ ہر مضر چیز میں بھی کچھ نہ کچھ فوائد ہوتے ہیں ان سے انکار نہیں مگر غالب نقصان ہے اسلئے چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور جہاں حالتوں کے بدلنے سے احکام بدلتے ہیں۔ وہاں دونوں احکام رکھے۔

اسلام کی اور خوبیاں

اس تعلیمی مقابلہ کے بعد یہ بھی یاد رہے کہ قرآن مجید جو بات کہتا ہے اسکی دلیل دیتا ہے دوسرے مذاہب کی کتب میں دلیل نہیں۔

پھر یہ کہ اسلام جب کسی جرم کو مٹاتا ہے تو جتنی چیزوں سے وہ جرم پیدا ہو جن راہوں سے وہ پھیل سکے وہ سب راہیں روک دیتا ہے اور بدی کے مٹانے کا قاعدہ ہی یہی ہے کہ اسے جڑ

سے کاٹا جائے مثلاً زنا سے بچانا ہے تو اب جن جن راہوں سے یہ گناہ پیدا ہوتا ہے سب کی پیشبندی کردی یہانتک کہ آنکھیں نیچی رکھنے کا حکم دیا۔ اور غیر محرم عورتوں سے خفیہ بات کرنے سے بھی روکا۔ تاکہ کوئی ایسی صورت ہی نہ پیدا ہو جس سے انسان ابتلا میں پڑے پھر دیکھئے جھگڑا ہے یہ کہنا تو آسان ہے کہ جھگڑا نہ کرو۔ مگر اسلام تو اس بدی کو روکنا چاہتا ہے اسلئے اسنے تمام اسباب کو لیا۔ جن سے جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے اور اسکے لئے سورہ حجرات کو دیکھئے پہلے فرمایا فاصلحوا بین اخویکم باہم صلح رکھو۔ پھر جن باتوں سے جھگڑا پیدا ہوتا ہے ان سے روکا۔

۱۔ لا یسخر قوم من قوم۔ تمسخر نہ کرو کیونکہ اسکا نتیجہ عیب چینی ہے۔

۲۔ ولا تلمزوا انفسکم۔ پس ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ۔ عیب لگا کر نام دھروگے

۳۔ ولا تنابزوا بالالقاب۔ نام دھرنا بڑے لقب دینے یہ ایک فسق ہے اور اس سے بدظنیاں پیدا ہونگی۔

۴۔ اجتنبوا کثیراً من الظن۔ پس تم بدظنیوں سے بچو۔ بدظنی کا نتیجہ غیبت ہے

۵۔ ولا یغتب بعضکم بعضاً۔ غیبت اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس جائز نہیں کیونکہ کسی کے عیبوں کے پھیلانے سے لڑائی پیدا ہوتی ہے۔

دیکھئے کیسی حکیمانہ تعلیم ہے۔ اس طرح پر خدا کے فضل سے میں دو مہینے بھی اگر آپ چاہیں تو اسلام کی خوبیوں پر تقریر کرسکتا ہوں۔ موٹی موٹی باتیں تو میں نے سمجھا دی ہیں۔ ان پر آپ غور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی ہدایت کرے کیونکہ ہدایت دینا تو اسی کا کام ہے ہمارا فرض تو پہنچا دینا ہے۔

سعد بن عبادہ

ما نگوئیم بد و میل بناحق نکنیم
جامہ کس سیہ و دلق خود ازرق نکنیم

القول الفصل کے صفحہ ۶۱ پر میاں نذر علی صاحب پشاوری نے ضمیمہ پیغام ۲۵ فروری ۱۹۱۵ء میں ایک اعتراض شائع کیا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی راستبازی اور حقانیت پر کمال ظلم اور تعدی سے حملے کئے ہیں۔ جنکا جواب وہی قادر اچھی طرح دیگا۔ جس نے اپنے سلسلہ کو انکے ہاتھ میں دیا ہے لیکن میں معترض کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جو آپنے یہ اعتراض کیا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے سعد بن عبادہ جیسے جلیل القدر صحابی کو منافق و مرتد لکھا ہے اور صحابہ کرام پر افترا باندھا ہے کہ انہوں نے بھی انکو ایسا ہی لکھا تھا اسمیں آپنے حضرت خلیفۃ المسیح کو مفتری نہیں کہا۔ بلکہ تمام راستبازوں اور نقلۃ الاحادیث اور ائمہ سیر کو کہا ہے کیونکہ ہم اچھا یا بُرا کسی شخص کو گزشتہ میں سے اسی صورت میں کہہ سکتے ہیں کہ جس کے متعلق کسی ثقہ ناقل نے مناقب یا مثالب کا ذکر کیا ہو پس ابو جہل کو بُرا ہم اسلئے کہتے ہیں کہ اسنے نبی کریم کو بہت ستایا تھا اور آخر ناکام ہو کر ہلاک ہوا۔ اور اسکے بیٹے عکرمہ کے حق میں رضی اللہ عنہ کی دعا اسلئے کرتے ہیں کہ اہل سیر نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ اسلام کی مدد میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوا ہے اور اسی طرح نبی کریم صلعم کی رحلت کے بعد جن لوگوں کے متعلق یہ لکھا ہے کہ وہ اس وعدے پر قائم نہیں رہے جو نبی کریم صلعم سے باندھا تھا انکے متعلق رضی اللہ عنہم کی دعا اسوقت تک نہیں کر سکتے جبتک انکے حق میں کوئی عذر قوی نہ ملے پس حضرت خلیفۃ المسیح نے قول فصل میں جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن شریف اور ائمہ دین کے اقوال کے ماتحت لکھا ہے محققین اسلام نے بالاتفاق سورہ نور آیت استخلاف کے ماتحت حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کو ماننا فرض قرار دیا ہے اور حدیث صحیح میں نبی کریم کا یہ فرمودہ موجود ہے ان ھذا الامر فی قریش لا یعادیہم احد الا کبہ اللہ علی وجہہ ما اقاموا الدین فتح الباری ص ۳۶۹ پ ترجمہ۔ کہ یہ امر خلافت قریش میں رہیگا جو بھی انکی مخالفت کریگا۔ خدا انکو منہ کے بل گرائیگا جبتک خلفاء دین کو قائم رکھیں۔ نبی کریم کے اس صریح حکم کے ہوتے ہوئے تم خود ہی بتلاؤ حضرت صدیق سے برسر پرخاش ہونے والے کو کیا کہوگے اور انصار سے تو اسکے

متعلق یہ وعدہ لیا تھا۔ ستکون علیکم اثرۃ شدیدۃ فاصبروا حتی تلقوا اللہ ورسولہ ترجمہ تمپر دوسرونکو فضیلت دیجائیگی۔ تم صبر سے کام لینا یہانتک کہ اللہ و رسول سے ملو) اور انصار نے جواب میں یہ عرض کی تہی۔ سنصبر یہ ہم ضرور ہی صبر کرینگے ہمنے سعد بن عبادہ کے متعلق اپنے خیال سے کچھ نہیں لکہا صرف آپ لوگوں کے سمجہانیکے لئے ایک واقعہ نقل کیا تہا کیونکہ گذشتہ لوگوں کی مثالیں پچہلوں کے واسطے خدانے عبرت کا مقام بنائی ہیں۔ جس حدیث کو نقل کرکے سعد کی خوبی اور خصوصیت کا حوالہ دیا ہے اس حدیث میں سعد کی کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ صرف نبی کریم صلعم نے انصار کے قبائل کی افضلیت اور اولویت کا ذکر کیا تہا اور سعد کی شکایت کے متعلق آنحضرت نے یہ جواب دیا ہے اولیس بحسبکم ان تکونوا من الخیار ترجمہ۔ کیا تمہارے لئے اخیار میں سے ہونا کافی نہیں۔ اس فقرہ سے سعد کی تو کوئی فضیلت نہیں۔ تمام قوم کی طرف اشارہ ہے اور انصار میں سے تمام کے تمام نیک نہیں تھے۔ بلکہ منافق بہی تھے جو نبی کریم کو تکلیف دیتے رہے تھے چنانچہ جنگ تبوک میں عبد اللہ بن ابی کے ساتھیوں کے علاوہ ۹۰ کے قریب انصار میں سے منافق پیچھے رہے تھے جنکی طرف سورہ توبہ میں بار بار اشارات فرمائے گئے ہیں۔ سعد بن عبادہ کا صحیح بخاری میں جہاں ذکر کیا گیا ہے وہاں بخاری صاحب نے حضرت عائشہ کا قول درج کرکے اپنے اعتقاد بھی انکے متعلق ظاہر فرمادیا ہے اور وہ یہ ہے وکان قبل ذالک رجلاً صالحاً (ترجمہ) اور یہ کہ اس سے پہلے اچھے آدمی تھے۔ اور اگر نبی کریم نے کسی موقع پر انکے فضائل کا ذکر فرمایا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قصور پر بھی انکو قصوروار نہ ٹھہرایا جائے صفت یا مذمت کسی شخص کی اسکے موجودہ اعمال پر ہوتی ہے دیکھو کعب بن مالک انصاری نے مکہ میں قبل ہجرت عقبہ کی رات میں نبی کریم کے ہاتھ پر بیعت کی تہی لیکن جب ان سے غزوہ تبوک میں تساہل اور سستی ظاہر ہوئی تو انکو رسول کریم نے پچاس دن تک کیسی سخت سزا دی تھی اور اسی طرح مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ انصاری دونوں بدری صحابہ ہیں۔ اور انکے حق میں خدانے یہ خوشنودی ظاہر کی تہی۔ اعملوا ما شئتم فقد وجبت لکم الجنۃ او فقد غفرت لکم بخاری صفحہ ۵ (ترجمہ) جو چاہو کرو تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی۔ اسی طرح اور بھی بدر میں حاضر ہونے والے ہیں جنکو قصور پر سزائیں دی گئیں اور ایک موقعہ پر آنحضرت نے مسیلمہ کذاب کی تعریف فرمائی تہی اور اسی بات کو مسیلمہ نے اپنی قوم کے آگے ثبوت میں پیش کیا تہا۔ اور ایک رجال (سورہ بقرہ کا حافظ) نام شخص تہا جو صحابہ میں سے مرتد ہو گیا تہا۔ اسنے مسیلمہ کی قوم کے سامنے اس بات کی قسم کھائی تھی کہ نبی کریم نے مسیلمہ کو اپنی نبوت میں شریک کیا تہا۔ خالد بن ولید کو یمامہ

ہی جاکر معلوم ہوتا تھا۔ کہ اہل یمامہ کے حق میں مسیلمہ سے بھی رجال کا فتنہ زیادہ ہی دیکھو عینی جلد ۸ صفحہ فکان اعظم علی اهل الیمامة فتنة من مسیلمة (ترجمہ) اہل یمامہ کے لئے مسیلمہ کے فتنہ سے اسکا فتنہ بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور عینی جلد ۸ صفحہ واخذ منہ جائزتہ وانہ قال انہ لیس بشر کم وان مسیلمة لما ادعی انه اشرك النبوة مع رسول الله صلعم احتج بهذه المقالة (ترجمہ) نبی کریم صلعم سے مسیلمہ کے ساتھ بھی انعام لیا گیا تو آپ نے مسیلمہ کی قوم کو فرمایا کہ یہ شریر آدمی نہیں۔ اسکے بعد جب مسیلمہ نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے نبی کریم کے ساتھ نبوت میں شریک بنایا گیا ہے تو آنحضرت کے مندرجہ بالا قول سے اسنے حجت پیش کی۔

پس نبی کریم کی بشارتوں اور رضی اللہ عنہم کی دعا کے مستحق وہی لوگ ہیں۔ جنکی صفات سورہ حشر اور باقی سورتوں میں بیان شدہ ہیں اور جو دنیا سے رحلت کر گئے ایسی حالت میں کہ نبی کریم سے جو وعدہ کیا تھا۔ اسمیں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی اور حدیث آیة المنافق بغض الانصار کی تشریح میں عینی جلد ۸ میں یوں لکھا ہے من ابغض بعضهم لمعنی غولہ المبغض فلیس داخلا فی ذلك (ترجمہ) انصار میں سے جو کسی جائز وجہ سے بغض کرے وہ اس حدیث کے وعید میں داخل نہیں۔ حضرت صدیق نے سعد بن عبادہ کو اسوقت تک نہیں چھوڑا۔ جب تک آپکو یقین نہیں دلایا گیا کہ سعد آپ سے ہرگز مخالفت نہیں کریگا۔ ملاحظہ ہو عبارت ذیل وترك ایاما ثم بعث الیه ان اقبل فبایع فقد بایع الناس وبایع قومك (ترجمہ) کچھ دن اس سے چشم پوشی کی گئی پھر اسکو حکم بھیجا کہ آکر بیعت کرے کیونکہ لوگوں نے بھی اور تیری قوم نے بیعت کر لی۔ تو سعد نے اسکا جواب یوں دیا ہے وایم اللہ لو ان الجن اجتمعت لکم مع الانس ما بایعتکم حتی اعرض علی ربی واعلم ما حسابی (ترجمہ) سعد نے کہا بخدا اگر جن بھی انسانوں کے ساتھ ملکر تمہاری بیعت کرینگے تو میں تمہاری بیعت نہیں کرونگا یہانتک کہ میں اپنے رب کے حضور پیش کیا جاؤں اور اپنا حساب سامنے دیکھ لوں جب یہ جواب حضرت ابوبکر کو ملا تو حضرت عمر نے عرض کی لا تدعه حتی یبایعك فقال بشیر بن سعد انه قد لج وابی ولیس بمبایعکم . . . فلیس ترکه بضارکم انما هو رجل واحد فترکوه وقبلوا مشورة بشیر بن سعد (ترجمہ) آپ اسے نہ چھوڑیں جب تک بیعت نہ کرے بشیر بن سعد نے کہا کہ وہ ضد کر گیا ہے اور انکار کر بیٹھا بیعت تو

کرنیکا نہیں، اسکو چھوڑ دینا آپ کے لئے مضر نہیں وہ اکیلا آدمی ہے اسپر اسکا خیال چھوڑ دیا گیا اور بشیر بن سعد کا مشورہ قبول ہوا۔ اور بعیت ابی بکر کے ایام میں سعد بن عبادہ یا ان لوگوں کے حق میں جو لفظ بولے گئے ہیں جنھوں نے مہاجرین سے خلافت میں نزاع کیا۔ وہ عبرت کے لئے ذیل میں درج ہیں۔ قول عمرؓ۔ فقال عمر قتلہ اللہ بخاری حضرتؓ نے فرمایا۔ سعد پر خدا لعنت کرے۔ قال لسعد اقتلوہ قتلہ اللہ ثم قام علیٰ راسہ فقال لقد ھممت ان اطأک یعنی حضرت عمرؓ نے سعد کے حق میں فرمایا اسکو مارڈالو خدا اسپر لعنت کرے۔ حتی یندر عضوک اور پھر آپ اسکے سر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا میںنے ضرور یہ ارادہ کیا تھا کہ تجھ پاؤں کے نیچے ایسا روند ڈالوں کہ تیرا گوشت جسم سے الگ ہو جائے۔ تاریخ کامل و طبری

قول عمرؓ۔ قتلہ اللہ انہ منافق۔ خدا اسپر لعنت کرے ضرور ہی وہ منافق ہے۔ طبری

قول سعید بن زید۔ کرھوان یبقوا بعض یوم ولیسوا فی جماعۃ قال او خالف علیہ احد قال لا الا مرتد او من کاد ان یرتد لولا اللہ عزوجل ینقذھم من الانصار۔ یعنے امام کے لئے رہنے کو صحابہ نے تھوڑی دیر کے لئے بھی گوارا نہیں فرمایا۔ اور راوی نے آپ سے پوچھا کیا اس پر کسی نے مخالفت بھی کی تھی۔ تو حضرت سعید نے فرمایا نہیں۔ ہاں کسی مرتد نے یا انصار میں سے ان لوگوں نے کی تھی جو مرتد ہونیکے قریب تھے اگر خدا انکو نہ بچاتا۔ تاریخ طبری

قول ابوبکرؓ۔ ا۔ لئن نزعت یدا من طاعۃ او فرقت جماعۃ لنضربن الذی فیہ عیناک (ترجمہ) اگر تم میری فرمانبرداری سے ہاتھ اٹھالوگے یا جماعت میں تفرقہ ڈالوگے تو ہم تمہیں تباہ کر دینگے ۲۔ فہم اول من عبد اللہ وامن باللہ وبالرسول وھم اولیاءہ و عشیرتہ واحق الناس بھذا الامر من بعدہ ولا ینازعھم الا ظالم (ترجمہ) مہاجر مقدم ہیں اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اسپر اور رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ نبی کریم کے دوست اور رشتہ دار ہیں۔ وہ خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ ان سے صرف ظالم ہی جھگڑا کرتا ہے۔

پس معترض صاحب! اب باز آجاؤ ۹۰ دسمبر کے خلفاء کا انکار ہلاکت صریح ہے اور سعادت انکی پیروی کرنے میں ہی اور دیکھو حضرت عمرؓ نے جمعہ کے خطبہ میں صحابہ کے روبرو اپنا حق کسطرح بیان فرمایا ہے اور جو آپکے کام میں طعن کرے اسکے حق میں کیسا وعید فرمایا ہے اور وہ یہ ہے۔ انی لقد علمت اقواما یطعنون فی ھذا الامر انا ضربتھم بیدی ھذہ علی الاسلام فان فعلوا ذلک فاولئک اعداء اللہ الکفرۃ

استدلال صحیح مسلم صفحہ ۱۵۰ ج ۱ (ترجمہ) میں جانتا ہوں کہ کچھ گروہ ان باتوں میں طعن کرتے ہیں جن میں میں نے انکو اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے اگر وہ میری مخالفت سے باز نہ آئے تو وہ اللہ کے دشمن کافر اور گمراہ ہیں۔

پس سعد بن عبادہ کا انجام بھی سن لو کہ انکی لاش گھر کے غسلخانہ میں پڑی ہوئی پائی گئی وجد میتا علی مغتسلہ وقد اخضر جسدہ ولم یشعروا بالمدینۃ حتی سمعوا قائلا من البئر (ترجمہ) اپنے غسلخانہ میں مردہ پایا گیا جسم سبز ہو چکا تھا اسکی موت کی خبر مدینہ میں کسی کو معلوم نہ ہوئی یہاں تک کہ ایک ندا سنی کہ ہمنے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا ہمنے اسے جگر دوز تیز تیر سے مار ڈالا

نحن قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ ٭ فرمیناہ بسہم فلم نخط فوادہ

چند سوالات دربارہ نبوت مسیح موعود کا جواب

سوال اول۔ خداتعالی کا مسیح موعود علیہ السلام کو نبی کہکر مخاطب کرنا آپنے اثبات کی دلیل گردانا ہے کہ ان کی نبوت تامہ تھی۔ ورنہ خداتعالی انکو نبی جزئی کہکر پکارتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ آپ حدیث لا نبی بعدی کو صحیح مانتے ہیں یا نہیں اگر آپ اسکو صحیح مانکر اسکے یہ معنی کہ اس سے مراد نبوت براہ راست ہے تو سوال یہ ہے کہ کیوں مسیح موعود کے نبی پکارا جانے سے بھی یہ مراد نہ لیجائے کہ یہاں نبوت سے مراد نبوت جزئی ہے۔

سوال دوم۔ مانا کہ نبوت دہندہ یونیورسٹی قائم ہوگی مگر اس یونیورسٹی کی عظمت وشوکت نظروں سے بالکل گر جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ رسول کریم جیسے عظیم الشان انسان کی سرپرستی میں قائم ہو کر ایک دراز مدت میں بلکہ آپکے خیال کے مطابق قیامت تک اس امت میں صرف ایک ہی ڈگری دے سکی۔

سوال سوم کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ گذشتہ صلحائے امت (خواہ ان میں سے صحابہ عرب اولیں یا مجددین) نے رسول کریم علیہ السلام کی متابعت میں کونسی کسر اٹھا رکھی جس سبب سے انکو نبوت کا عہدہ نہ ملا۔ درانحالیکہ انکو خدائے ذوالجلال کی طرف سے رضیت لکم الاسلام دینا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے سرٹیفکیٹ مل چکے تھے۔

سوال چہارم اگر بذریعہ متابعہ بکمال رسول کریم علیہ السلام کے بعد بھی نبوت مل سکتی ہے تو حدیث النبی نبی ولو کان فی بطن امہ سے کیا مراد ہے؟

سوال پنجم۔ کیا مجھے یا میرے کسی ہمعصر کو رسول اکرم کی بکمال اتباع کرنے سے عہدہ نبوت مل سکتا ہے اگر نہیں

نحن قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ فرمیناہ بسہم فلم نخط فوادہ

ملسکتا تو یہی کہنا پڑیگا واللہ یختص برحمتہٖ من یشاء پس متابعت کا سوال اٹھگیا نبوت براہ راست ہی ہو تو ہو جسکا دروازہ مسدود ہے۔

جواب

(از فاضل جلیل مولنٰنا محمد اسمٰعیل صاحب)

(۱) خاکسار نے کتاب حقیقۃ النبوۃ حصہ اول کو بہت غور سے پڑھا ہے لیکن مجھے اسمیں حضرت مسیح موعود کے پورا نبی ہونیکی دلیل یہ کہیں نہیں ملی کہ آپکو جزئی نبی نہیں کہا گیا۔ بلکہ نبی کہکر مخاطب کیا گیا ہے ہاں مجھے اس میں جا بجا یہ لکھا ہوا ملا ہے نبی کیلئے تین شرائط ہیں جس شخص میں وہ تینوں شرطیں موجود ہوں وہ نبی ہے اور اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک شرط بھی اسمیں مفقود ہوگی۔ تو اس صورت میں ماننا پڑیگا کہ وہ شخص نبی نہیں ہے گو اس میں ان شرائط میں سے کوئی شرط ہی کیوں نہ ہو مثلاً یہ کہ اسے خدا نے نبی کے نام سے کسی الہام میں کبھی پکارا ہو۔ مگر کثرت مکالمہ مخاطبہ کی شرط اور امور مہمہ کے متعلق پیشگوئیوں کی شرط اسمیں موجود نہ ہو۔ یا یہ کہ کثرت الہام کا شرف تو رکھتا ہو۔ مگر نہ اسکا نام خدا نے نبی رکھا ہو۔ اور نہ اسے امور مہمہ غیبیہ پر اطلاع دیجاتی ہو۔ یا یہ کہ ایسے بعض امور مہمہ پر تو اطلاع دی گئی ہو مگر پہلی دونوں شرطیں اس میں متحقق نہ ہوں۔ یا یہ کہ پچھلی دونوں شرطیں تو اس میں پائی جاتی ہوں مگر تیسری شرط موجود نہ ہو۔ یا یہ کہ پہلی اور تیسری شرط پائی جاتی ہو۔ اور دوسری شرط موجود نہ ہو۔ یا یہ کہ پہلی شرط موجود نہ ہو اور دوسری اور تیسری شرطیں پائی جاتی ہوں۔ یا یہ کہ تینوں شرطوں میں سے کوئی شرط بھی اسمیں نہ پائی جاتی ہو پس ان ساتوں صورتوں میں نبی ہونا متحقق نہیں ہوگا اور صرف ایک صورت میں منصب متحقق ہوگا یعنے یہ کہ تینوں شرطیں موجود ہوں پس اس صورت میں ایسے شخص کو لامحالہ نبی ماننا پڑیگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ باوجودیکہ مذکورہ بالا سات صورتوں میں سے دو صورتوں میں نبی کے لفظ سے مخاطب کیا جانے کی شرط موجود ہے ایسے شخص کا نبی ہونا غیر متحقق ہے۔

غرض کسی شخص کا نبی کے نام سے مخاطب کیا جانا یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ شخص نبی ہے ہاں جس صورت میں ان تین شرائط میں سے بعض موجود ہوں۔ اور بعض غیر موجود تو ایسی صورت میں چونکہ مفہوم نبی کے اجزا میں سے بعض اجزا موجود ہیں اسلئے اس بنا پر ایسے شخص کو جزوی نبی کہنا جائز ہوگا۔ یعنے ناقص نبی لیکن ایسا شخص نبی نہیں ہوگا اس سے ظاہر ہے کہ جزوی نبی کہلانے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ الہام میں جزوی کا لفظ موجود ہو ہاں یہ ضروری ہے کہ ایسے شخص میں نبوت کی ایک یا دو شرطیں پائی جاتی ہوں۔

اور جس طرح مجھے اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ کے پورا نبی ہونیکی یہ دلیل کہیں نہیں ملی کہ آپکو جزئی نبی کہکر نہیں پکارا گیا۔ بلکہ نبی کہکر پکارا گیا ہے اسی طرح مجھے اسمیں آپ کے جزئی نبی نہ ہونے کی یہ دلیل بھی کہیں نہیں ملی کہ اگر آپ جزوی نبی ہوتے تو بجائے لفظ نبی کے آپکو جزوی نبی کے نام سے پکارا جاتا۔

لانبی بعدی کا جواب اول تو یہ ہو کہ جہاں حضرت فضل عمر ایدہ اللہ تعالےٰ نے حقیقۃ النبوۃ میں جزوی نبی کے متعلق مذکورہ بالا بحث فرمائی ہو وہیں ساتھ ہی بالکل متصل یعنے اس سے بعد کی عبارت میں خود ہی ایک رنگ میں اسی سوال کو اٹھا کر اسکا جواب دہیں دینا ہے کیونکہ وہاں تصریح کے ساتھ اس حدیث پر بحث نہیں کی گئی۔ اور نہ وہاں اس بحث کی کوئی ضرورت تھی اسلئے میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس جواب کو اسی جگہ دہراتا ہوں سو واضح ہو کہ اس حدیث کو ہم صحیح تسلیم کرنیکے بعد کہتے ہیں کہ اسکے معنے خود ہی حدیث حل کر رہی ہو اور ایک اور حدیث سے ان معنوں کی زیادہ توضیح ہو جاتی ہو تفصیل اس اجمال کی یہ ہو کہ اس حدیث میں نفی نبوت کو ایک خاص زمانہ کی قید کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جو بعدی کے لفظ سے ظاہر ہو رہا ہے یعنے میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا نہ یہ کہ میرے زمانہ میں بھی کوئی نہیں آئیگا اب ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ قیامت تک ہے جس کو حدیث میں ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہو کہ انا والساعۃ کہاتین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبابہ اور وسطیٰ دونوں انگلیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ میں اور قیامت ہم دونوں اسطرح باہم متصل اور ملے ہوئے ہیں جس طرح کہ یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں اور درمیان میں تیسری کوئی چیز نہیں یعنے میرا زمانہ اسوقت تک ہے کہ قیامت آجائے اور جب میرا زمانہ منقطع ہوگا تو اسکا انقطاع کسی اور نبی کے آنیکے ساتھ نہیں ہوگا۔ بلکہ قیامت کے آنیکے ساتھ ہوگا۔ غرض میرے بعد قیامت ہی آئیگی اور کوئی زمانہ حائل نہیں ہوگا۔ پس یہ حدیث مطلقاً کسی نبی کے آنے کی نفی نہیں کرتی بلکہ حقیقتاً یعنے آپکے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جسکا آنا انقطاع زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مستلزم ہو اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ دیا گیا ہے آپکی امت ان تمام انعاموں کی وارث ہوگی اور ان انعامات میں سے نبوت بھی ہو اور ان تمام انعامات کے حصول کا ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو بتایا گیا ہے اسلئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونیکے بعد کوئی شخص کوئی ایسا انعام ان انعامات موعودہ اربعہ میں سے پاوے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وجہ سے اور اسکے ذریعہ سے اور اسکی برکت سے اسے نہ ملا ہو۔ بلکہ اس واسطہ اور ذریعہ کے بغیر ملجائے یا کوئی شخص کوئی نئی شریعت لے کر آجائے تو ان دونوں صورتوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا انقطاع لازم آئیگا کیونکہ پہلی صورت میں

یہ نتیجہ نکلیگا کہ جو انعامات کہ بلا واسطہ اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملنے کا دروازہ آپکے آنیکے ساتھ بند کیا گیا وہ کھل گیا جس کے یہ معنے ہونگے کہ آپکا زمانہ منقطع ہو چکا اور دوسری صورت تو اظہر من الشمس ہے پس جو قیود اس حدیث میں نبی کے معنے کو مخصوص کرتی ہیں وہ خود اس حدیث میں مذکور ہیں ہم اپنی طرف سے نہیں بڑھاتے۔

اور ثانیاً یہ کہ ہم نہیں کہتے کہ اس حدیث میں نبی کا لفظ کسی بیرونی قید کا محتاج ہے اسجگہ بھی نبی کے وہی معنے مراد ہیں جو اسکے اصلی معنی ہیں لیکن دوسری طرف چونکہ حدیث میں ایک نبی اللہ کے آنیکا وعدہ بھی دیا گیا ہے اسلئے دونوں کی تطبیق ضروری ہوئی جسکی یہ صورت ہے کہ نبیوں کی کئی قسمیں ہیں جنمیں سے کسی ایک قسم کی نفی لانبی بعدی میں کیگئی ہے اور دوسری قسم کے نبی کا وعدہ دوسری حدیث میں دیا گیا ہے پس اس صورت میں معنی بھی برحال رہتے ہیں اور تطبیق بھی ہو جاتی ہے

اور ثالثاً یہ کہ نبی کے ساتھ شرعی یا غیر شرعی یا بلاواسطہ یا بالواسطہ کی قید لگانا اور جزئی کی قید لگانا ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ شریعت کا پانا نہ پانا اور اسی طرح نبوت بالواسطہ پانا یا بلاواسطہ پانا نبوت کے اصل مفہوم پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔ اور یہ قیود صرف نبی کی قسم کو ظاہر کردیتے ہیں لیکن جزئی کا لفظ نبی کے مفہوم کو بدلا دیتا ہے کیونکہ جزئی نبی کے یہ معنے ہیں کہ وہ ادھورا نبی جس میں تمام ضروریات و شرائط نبوت موجود نہیں ہیں۔ برخلاف اسکے شریعت کے لانے یا نہ لانے یا نبوت بالواسطہ پانے یا بلاواسطہ پانے سے نبوت کا اصل مفہوم نہیں باطل ہوتا پس ایسی قیود لگانے میں تو کوئی حرج نہیں جو اصل مفہوم کو نہ بدلاتی ہوں بلکہ تفصیل کرتی ہوں لیکن کسی ایسی قید کا لگانا جو باوجود تمام شرائط نبوت کے موجود ہونیکے ایک شخص کے نبی ہونیکی نفی کرتی ہو موجب حرج ہے

دوسرے سوال کا جواب - میرے مکرم اگر یہ باتیں مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنی فرمائی ہوئی نہ ہوتیں تو انپر کسی احمدی کا جرح قدح کرنا چنداں بعید نہ تھا لیکن جبکہ ہم لوگ یہ باتیں اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے الفاظ پیش کرتے ہیں تو اس صورت میں کسی احمدی کا حق نہیں ہے کہ انکو حقارت کی نظر سے دیکھے کیا یہ سچ نہیں ہے کہ حضرت اقدس نے فرمایا ہے کہ یہ ضرور یاد رکھو کہ اس امت کے لئے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک ایسے انعام پائے گی جو پہلے نبی اور صدیق پا چکے پس منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں اور پیشگوئیاں ہیں جن کے رو سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے رہے لیکن قرآن شریف بجز نبی بلکہ رسول ہونیکے دوسروں پر علوم غیب کا دروازہ بند کرتا ہے جیسا کہ آیت لا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول سے ظاہر ہے پس مصفا غیب پانیکے لئے نبی ہونا ضروری ہوا۔ اور آیت انعمت علیہم گواہی دیتی ہے کہ اس مصفا غیب سے یہ امت محروم نہیں اور مصفا غیب حسب منطوق آیت نبوت اور رسالت کو چاہتا ہے اور وہ طریق براہ راست بند ہے اسلئے ماننا پڑتا ہے

کہ اس موہبت کیلئے محض بروز اور ظلیت اور فنافی الرسول کا دروازہ کھلا ہے" "ایک غلطی کا ازالہ" اور کیا یہ الفاظ حضرت اقدس کے اپنے نہیں ہیں "غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی مخصوص ہوں اور جسقدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں انکو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانیکے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اسمیں شرط ہے اور وہ شرط ان میں نہیں پائی جاتی"۔

ممکن ہے کہ اسجگہ کسی شخص کو یہ وہم گذرے کہ قرآن کریم و حدیث شریف سے اس بات کو ثابت نہ کرنا اور صرف حضرت کا کلام پیش کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ قرآن و حدیث میں اسکی کچھ اصلیت موجود نہیں ہے سو اگرچہ ایک احمدی کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ وہ حضرت اقدس کی نسبت ایسی بدظنی دل میں رکھتا ہو بلکہ کوئی غیر احمدی بھی جو تعصب کی وجہ سے اندھا نہ ہو رہا ہو ایسا وہم نہیں کر سکتا۔ لیکن میں حضرت اقدس کے کلام طیب ہی میں سے اسکے دلائل قرآنیہ و حدیثیہ پیش کرتا ہوں تاکہ اس شبہ کا بھی ازالہ ہو جاوے سو واضح ہو کہ نہ تو احادیث میں مسیح موعود کے سوائے اس امت میں کسی نبی کے آنے کی خبر دی گئی ہے اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم بعثت سے لیکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے یوم بعثت تک کوئی ایسا مدعی نبوت ملتا ہے جسے آیت لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین دعوے نبوت میں سچا ثابت ہونے دیتی ہو اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی بابت احادیث میں بھی پیشگوئی موجود ہے اور آیت مذکورہ بھی آپکی تصدیق کرتی ہے چنانچہ حدیث کے متعلق حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ "خود حدیثیں پڑھتے ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اسرائیلی نبیوں کی طرح کے مشابہ لوگ پیدا ہونگے اور ایک ایسا ہوگا کہ ایک پہلو سے نبی ہوگا اور ایک پہلو سے امتی وہی مسیح موعود کہلائیگا"۔ حقیقۃ الوحی طفنہ

اب اگر کسی کی طاقت ہے تو احادیث میں مسیح موعود کے سوا کسی اور نبی اللہ کی پیشگوئی پیش کرے اب رہا یہ کہ اگرچہ احادیث میں مسیح موعود کے سوا اس امت میں سے کسی کو نبی نہیں کہا گیا مگر کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ بغیر پیشگوئی کے وعدہ کے کوئی نبی آگیا ہو۔ سو یاد رہے کہ اس وہم باطل کا ابطال قرآن کریم کی آیت لو تقول علینا کر رہی ہے اور اسنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آجتک سوائے حضرت مسیح موعود کے کسی کا دعویٰ نبوت ثابت نہیں ہونے دیا چنانچہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس اشتہار کے ذریعہ سے اس بات کا اعلان کیا کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے مدعی نبوت کو پیش کر کے ثابت کرے کہ آیت مذکورہ نے اسکی تصدیق کی۔ تو

اسے پانسو روپیہ انعام دیا جائیگا تو کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ کوئی اسکی ایک مثال بھی پیش کرتا۔ میں اسجگہ اسکے متعلق حضرت اقدس کے چند فقرے نقل کر دیتا ہوں آپ فرماتے ہیں۔ "ممکن نہیں کہ ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی پانے کی مدت اس شخص کو مل سکے جسکو خدا تعالیٰ جانتا ہی کہ وہ جھوٹا ہے۔ ہاں اسبات کا قطعی طور پر ثبوت ضروری ہے کہ درحقیقت اس نے وحی اللہ پانے کے دعوی میں تئیس برس کی مدت حاصل کر لی اور اس مدت میں اخیر تک کبھی خاموش نہیں رہا اور وہ اس دعوے سے دست بردار ہوا۔ سو اس امت میں وہ ایک شخص میں ہی ہوں جسکو اپنے نبی کریم کے نمونہ پر وحی اللہ پانے میں تئیس برس کی مدت دیگئی اور تئیس برس تک وحی کا سلسلہ جاری رہا۔" (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۲۲) بھلا اگر یہ سچ ہی کہ ان لوگوں نے نبوت کے دعوے کئے اور تئیس برس تک ہلاک نہ ہوئے تو پہلے ان لوگوں کی خاص تحریر سے انکا دعویٰ ثابت کرنا چاہئے اور وہ الہام پیش کرنا چاہیئے کہ جو الہام انہوں نے خدا کے نام پر لوگوں کو سنایا یعنے یہ کہا کہ میں خدا کا رسول ہوں اصل لفظ انکی وحی کے کامل ثبوت کے ساتھ پیش کرنے چاہئیں کیونکہ ہماری تمام بحث وحی نبوت میں ہی جسکی نسبت یہ ضروری ہے کہ بعض کلمات پیش کر کے یہ کہا جائے کہ یہ خدا کا کلام ہی جو ہمارے پر نازل ہوا (تتمہ اربعین صفحہ ۱۱) پس یہ ممکن نہیں ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لیکر مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت تک کے عرصہ میں کوئی ایسا شخص مل سکے جو مطابق شرائط مذکورہ بالا مدعی نبوت ثابت ہو اور پھر آیت لو تقول اسکی تصدیق کرے۔

تیسرے سوال کا جواب - جناب سید صاحب تقویٰ و صلاح کا نہ تو گزوں یا فٹوں یا جریبوں کے ساتھ اندازہ کیا جاتا ہی نہ ترازو پر تولا جاتا ہے اسکی کمی بیشی کا جاننے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہی اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ آپ یا ہم یا کوئی اور انسان کس طرح یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ فلاں شخص کا تقویٰ اس درجہ کو پہنچا ہوا ہے کہ وہ مقام نبوت کا مستحق ہی پس یہ کہنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کہ فلاں زمانہ کے لوگ متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نقطہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے مگر انہیں نبوت نہ ملی ہاں یہ سچ ہی کہ بموجب آیت ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم یہ منصب اسی کو عطا ہوتا ہی جو تقویٰ میں ارفع الشان ہو مگر انسان اندازہ نہیں لگا سکتا کہ کون شخص ارفع الشان ہے اور کون نہیں ہی اسی طرح پر کسی شخص کو یہ اندازہ لگانیکا حق نہیں ہی کہ چونکہ ایسے لوگ گذرے ہیں جو تقویٰ میں نقطہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے اور باوجود اسکے انہیں یہ منصب نہ ملا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ بواسطہ متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ منصب کسی کو نہیں مل سکتا کہاں لکھا ہی کہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا مقام پانیکے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ایسے لوگ تمام مراتب تقویٰ طے کر چکے ہوں کیا اللہ تعالےٰ نے نہیں فرمایا کہ مقام اصطفےٰ پانے والوں کے

بھی متعدد مراتب ہیں جنہیں سو ظالم لنفسہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہی اور یہ ظاہر ہی کہ رضا اور اصطفا میں تلازم ہے پس یہ معیار صحیح نہیں ہی۔

چوتھے سوال کا جواب بعد از تسلیم اسکے معنی شاید یہ ہیں کہ بیج میں وہ استعداد تو موجود ہوتی ہی جس سے وہ ایک بڑا عظیم الشان درخت بن سکے اور اس بنا پر اسے بالقوہ بڑ کہہ سکتے ہیں مگر اسی فضیلت کے رنگ میں بڑ کا درخت اسیوقت کہینگے جب وہ درخت بنجاویگا بات یہ ہی کہ ہر نبی واجب الاطاعت ہوتا ہی مگر فی البطن اسے یا فی المہد کیا نہیں اسکی اطاعت کسی پر فرض نہیں ہوتی ہاں جب بلغ اشدہ کا مصداق بنتا ہی اور کمال احسان کے مرتبہ پہ پہنچ جاتا ہی تو اس سن کو اللہ تعالیٰ جس مقام پر چاہتا ہی کھڑا کر دیتا ہی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی عدم شرطیت کیونکر ثابت ہوئی۔

پانچویں سوال کا جواب - امکان سے کسکو انکار ہی مگر اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہی اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم اور اس سے بڑھکر کون سے عدہ کا پورا کرنیوالا ہے اور فرماتا ہے اوف بعھدی اوف بعھدکم مگر قلیل ما ھم یاد رکھئے کہ واللہ یختص برحمتہ من یشاء آیت قل ان کنتم تحبون اللہ کی نسخ نہیں ہی میرا خیال ہے کہ بلا واسطے کے معنے سمجھنے میں کسی قدر غلط فہمی ہوتی ہی اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ منصب عطا کر چاہی انہیں اجر عمل کے طور پر ملتا ہے علیہ ضروری ہو کہ ہر کس عامل کو مل سکے بلکہ اسکے لئے ایک یہ بھی شرط ہی کہ یہ منصب صرف ذی النسب لوگوں کو ملتا ہے۔ حالانکہ اجر اعمال کے لئے یہ شرط نہیں ہی پس یہ ہے تو موہبت رحمانیت مگر اسکا حصول اکمل اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل اتباع کے بعد تابع کا دل تمام زنگار وں سے مصقول ہو کر ایک آئینہ تجلی بن جاتا ہے۔ جس پر نبوت کے شعبوں کا فوٹو کا اثر اترآتا ہی اسی معنی صفائی کو عام اصطلاح میں نبوت ظلی کہتے ہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ظلی نبوت کے کچھ اور معنی بیان فرماتے ہیں حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ ظلی نبی وہ تمام کمالات پورے طور پر رکھتا ہی جنکی وجہ سے پہلے انبیاء نبی کہلاتے رہی اور کہ بعد ی تصویر پوری نہیں ہو سکتی جبتک کہ ہر ایک پہلو سے اپنے اصل کے کمالات اپنے اندر نہ رکھتی ہو اور کہ تمام نبی وسیات کو شت چلے آئے ہیں کہ جو بروزی نبی اصل کی پوری تصویر ہوتی ہی اور کہیں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے میں وہ آئینہ ہوں جسمیں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے اگر خواب بینی کا نام ہی ظلی نبوت ہے تو کیا وہ تمام کمالات جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اور جنکے ساتھ انبیاء مخصوص ہوتے ہیں ایسے خواب بہتوں میں پائے جاتے ہیں۔

جیسا اوپر مفصل بتا چکا ہوں کہ جزوی نبوت اور چیز ہے اور کہ نفس نبوت جسکی قسمیں ہیں سے ایک قسم ظلی نبوت ہی اور چیز ہے یہ نہیں کہ جہاں لفظ نبی کے ساتھ کوئی قید آجاوے وہ سب ایک ہی جگہ میں داخل کر دی جاوے ایسی صورت میں تو اندیشہ ہی کہ کل کوئی شخص لفظ نبی کے ساتھ کاذبی قید لگا کر اسے بھی ظلی نبی کا مرادف قرار دینے لگے اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔ خاکسار محمد اسمٰعیل

اصول فقہ — مختصر الاصول

فقہ کی کتابیں تو اردو میں بھی بہت ہیں اسلئے ناظرین تشحیذ عام طور پر ان سے آگاہ ہونگے یہ کتاب جس کا عنوان اوپر درج ہے اور جس کو میں نے بڑے شوق سے منگوایا۔ اور پڑھا اور پڑھکر فائدہ اٹھایا۔ اصول فقہ میں ہے اصول فقہ ایسا علم ہے جسکی وجہ سے دلائل اجمالیہ سے احکام شرعیہ فرعیہ کے استنباط کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور اسکی غرض یہ ہے کہ احکام شرعیہ فرعیہ کو انکے ادلہ کتاب و سنت سے استنباط کرنیکا موقعہ حاصل ہوجائے۔ عربی میں تو ایسی کتابیں بہت ہیں جو درس و تدریس میں داخل ہیں لیکن اردو میں جو ایسی کتاب کی ضرورت تھی تا ہر طبقہ کے لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں اسے علامہ محمد نجم الغنی خان صاحب رامپوری نے پورا کردیا ہے۔ زبان ایسی شستہ اور سلیس ہے کہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا۔ اصول فقہ کے متعلق یہ کتاب کافی و وافی ہے۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ احباب اسے خریدیں قیمت عہ ملنے کا پتہ الیس ابن علی اخبار نیر اعظم مراد آباد حجم قریباً چار سو صفحہ

مسیح موعود

یہ رسالہ جو تبلیغ کے لئے اور وفات مسیح موعود کے ثبوت میں بہترین رسالہ ہے برادر سراج الدین صاحب نے مختلف کتب سلسلہ سے اقتباس کرکے انجمن احمدیہ ہمبڑیاں کی طرف سے مفت شائع کروایا ہے احباب محصول ڈاک بھیجکر منگوائیں اور حظ اٹھائیں۔

اسرار روایات

منشی خادم حسین صاحب خادم ایک مشہور مضمون نگار ہیں اور شیعہ کے متعلق انکی واقفیت بہت اعلیٰ ہے یہ ۲۳ صفحے کا رسالہ انہوں نے اس موضوع پر لکھا ہے کہ مرثیہ خواں جو روایات کربلا سنا کر رویا رلایا کرتے ہیں وہ از روئے شیعہ کتب معتبرہ ناقابل اعتبار ہے ۱ر کے ٹکٹ آنے پر یہ رسالہ دفتر تشحیذ سے بھیجا جاسکتا ہے جہاں شیعوں کا زور ہے یا جنہیں ان سے بحث کرنی پڑتی ہے یا جن کے رشتہ دار احباب شیعہ ہوں وہ ضرور متعدد کاپیاں منگا کر مفت تقسیم کریں۔

القمر دھلی

یہ رسالہ دہلی سے ماہوار شائع ہوتا ہے محمد عبدالعزیز جنیدی اسکے ایڈیٹر ہیں اس رسالہ میں ممتاز علماء و مشاہیر اہل قلم کے مضمون شائع ہوتے ہیں چندہ سالانہ عہ نمونہ منگوا کر دیکھئے

کلمۃ الفصل

القول الفصل تو آپ نے پڑھ لیا۔ اب ہمارے مکرم معظم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب خلف ثانی مسیح موعود کا یہ مضمون بھی مسئلہ کفر و اسلام پر پڑھئے جو ریویو آف ریلیجنز ماہ مارچ و اپریل میں شائع ہوا ہے حق یہ ہے کہ اپریل سنہ ۱۱ء کا تشحیذ (مسلمان وہی ہے جو تمام ماموروں کو مانے) اگر متن ہے تو یہ اسکی بہترین شرح ہے میں امید کرتا ہوں کہ یہ بہت دلچسپی سے پڑھا جائیگا سلسلے خدا کے برگزیدہ

نبی کے فرزند تجھ پر سلام کہ تو نے کنزہ اسلام کی حقیقت سمجھا کر امن و سلامتی پھیلائی۔

وی پی واپس کرنے والے

جن صاحبان نے تشحیذ کے وی پی بابت ۱۹۱۲ء واپس کئے ہیں وہ بذریعہ منی آرڈر قیمت بھیجکر مشکور فرمائیں اور جنھوں نے ابھی تک ۱۹۱۳ء کی قیمت بھی نہیں دی۔ وہ اپنی رائے سے مطلع کریں کہ آیا آئندہ خریدار رہنا چاہتے ہیں یا نہیں اور جو قیمت دے چکے ہیں انکا شکریہ توسیع اشاعت کی طرف توجہ ضروری ہے۔ مینیجر